جدید ٹیکنالوجی اور آلات کے سبب رویت ہلال
پر حالات زمانہ کی تبدیلیوں کے حوالے سے بہترین تحقیق

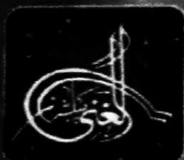
چاند کا مسئلہ
نئے مرحلے میں





مصنف

مناظر اعظم ہند، فقیہ النفس
حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدظلہ العالی



0305-2578627

أهل السنة
لتحقيق الكتب والطباعة والنشر

جدید ٹیکنالوجی اور آلات کے سبب رویت ہلال
پر حالات زمانہ کی تبدیلیوں کے حوالے سے بہترین تحقیق

چاند کا مسئلہ
نئے مرحلے میں

مصنف
مناظر اعظم ہند، فقیہ النفس
حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدظلہ العالی

حسب فرمائش
مولانا محمد نظام الدین یوکے

مکتبہ الغنی پبلشرز کراچی
0315-2717547 / 0305-2578627
www.alghanipublishers.com
alghanipublisher@gmail.com
www.fb.com/alghanipublisher

نام کتاب : چاند کا مسئلہ نئے مرحلے میں

مصنف : مناظر اعظم ہند فقیہ النفس حضرت
مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب رضوی مدظلہ العالی

ناشر : مکتبہ الغنی پبلشرز کراچی

ڈیزائنر : گرافکس ڈیزائنر
0304-2601632

نوٹ

ملنے کا پتہ

(۱)۔ مکتبہ الغنی پبلشرز ہول سیل نزد فیضان مدینہ، پی ٹی سی ایل والی گلی، پرانی سبزی منڈی، کراچی، پاکستان

(۲)۔ نشان منزل داتا دربار مارکیٹ، لاہور

(۳)۔ اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی

(۵)۔ نعیمیہ بک اسٹال، لاہور

(۶)۔ مکتبہ فیضان سنت ملتان، پنجاب

(۷)۔ مکتبہ فیضان مدینہ، فیصل آباد، پنجاب

عرض ناشر

ہم نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ اور معیار کو بہتر بنانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے لیکن اگر کسی مقام پر غلطی پائیں تو تحریری طور پر آگاہ کریں۔ عموماً پبلشرز کو زبانی بتادینا کافی نہیں ہوتا۔

ابو حامد خلیل احمد مدنی مدظلہ العالی

فہرست

عرض مرتب

''چاند کا مسئلہ نئے مرحلے میں'' والد گرامی حضرت فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی دامت برکاتہ کی تصنیف فرمودہ مستقل کتاب نہیں، آج سے تیتالیس سال پہلے 1979 میں برطانیہ سے آئے ہوے ایک استفتے کا جواب ہے، جسے حضرت نے تحریر فرما کر مستفتی کے نام ارسال فرما دیا تھا۔ بعد میں اس کی کچھ قسطیں 1980 اور 1981 میں ماہنامہ ''پاسبان'' الہ آباد کے چند شماروں میں شائع بھی ہوئیں تھیں۔

کچھ دنوں پہلے برطانیہ میں مقیم حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ، صدر المدرسین دار العلوم غوثیہ رضویہ بلیک برن (یوکے) نے فون پر اس کی اشاعت کے لیے فرمایا اور پیہم تقاضے کیے تو اس کی تلاش شروع ہوئی، مگر مبیضہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ ایک کاپی پر اس کا مسودہ ملا تو وہ جا بجا سے قلم زد کردہ اور نمبر دے کر حاشیہ پر کئی کئی سطریں کہیں فون ٹین پین، کہیں لیڈ پین اور کہیں پنسل سے اضافہ کردہ ہے۔ مستزاد یہ کہ کسی ورق کا کوئی کنارہ شکستہ ہو کر باقی ہے تو کوئی کنارہ غائب ہی ہو گیا ہے۔

بڑی دقتوں سے احقر اس کا مبیضہ کر کے حوالے کی عبارتوں کا اصل سے

مقابلہ کیا۔اس کے بعد حضرت فقیہ النفس کی نظر سے گزارنے کے بعد یہ اس قابل ہوسکا ہے کہ اس کی اشاعت ہو۔حضرت ہی کے حکم پر حساب کے ذریعہ چاند کا ثبوت ونفی سے متعلق ''جدالممتار'' سے ایک طویل اقتباس ترجمہ کے ساتھ اپنے مقام پر،اوراستفاضہ سے متعلق آپ کا جدید مفصل فتوی آخر میں بطور ضمیمہ شامل کردیا ہے۔

حضرت مولانظام الدین صاحب دام ظلہ کی طلب پر کمپوزنگ شدہ کاپی ان کوارسال کی گئی تو موصوف کے ملنے والوں میں سے کسی عالم صاحب نے پڑھ کربعض سوالات کیے ،ان سوالات کے جوجواب حضرت فقیہ النفس نے تحریرفرمائے ،وہ سوالات کے ساتھ تکملہ کے عنوان سے پیش کردیئے ہیں۔

جولوگ اس سے مستفید ہوں،ان سے گزارش ہے کہ حضرت کی صحت و سلامتی کے ساتھ اس احقر کے علم وعمل میں زیادتی کے لیے بھی دعافرمائیں۔

محمد احمر رضوی

ناظم اعلی

جامعہ نوریہ،شام پور،رائے گنج،

اتر دیناجپور،(بنگال)

استفتا

(الف)

کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ برطانیہ مستقل طور پر ابر آلود رہنے والا ملک ہے، یہاں شائد و باید مطلع صاف ہوتا ہے، اس لیے رمضان شریف یا شوال وغیرہ کا چاند دیکھنا یہاں تقریباً ناممکن سا ہے۔

ایسی صورت میں ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کی کوشش ہونا چاہیے یا نہیں؟

(ب)

یہاں کے مخصوص جغرافیائی محل وقوع کے پیش نظر سورج کا غروب موسم گرما میں انتہائی مختصر وقت کے لئے ہوا کرتا ہے۔ مثلاً آج کل غروب آفتاب کا وقت تقریبا رات پونے دس بجے ہے اور صبح صادق رات ڈھائی بجے ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ نیز مکمل غروب آفتاب اور بھی دیر سے ہوتا ہے۔ یعنی شفق کا وقفہ کافی طویل ہوتا ہے ان حالات میں یہاں کی سائنسی رصد گاہوں کے ماہرین کی رپورٹ یہ ہے کہ اگر چاند دیکھنے کی کوشش بھی کی جائے تو اسے دیکھنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

ایسے نامساعد حالات میں کیا رصدگاہ کی رپورٹ پر رویت ہلال کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

(ج)

برطانیہ میں مسلم معاشرت اور اسلامی ماحول کا مقابلہ اسلام کے انتہائی با شعور مخالفین سے ہے، اگر اختلاف تعین رمضان وعید کے باعث یہاں کوئی انتشار رہتا ہے تو یہاں غیر مسلم آبادی اسلام سے بدگمان ہوتی ہے۔

نیز وہ اسلامی قانون حیات پر بھی نکتہ چینی کرتی ہے کہ جو مذہب اپنے نظام عبادت میں ساری دنیا کے مختلف حالات کی رعایت کا حل پیش نہیں کرسکا۔ وہ عالمی طور پر پوری انسانی زندگی کی رہنمائی کا دعوی کیسے کرسکتا ہے؟

اور اس طرح یہاں اسلام کے تبلیغی امور اور تعارف اسلامی کی تحریک پر شدید منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں۔

کیا ہم اسلام کے فروغ واشاعت کے اس بنیادی فریضہ کو مجروح ہونے سے بچانے کے لیے ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کسی بھی طرح یہاں کے مخصوص حالات میں کرسکتے ہیں؟ بشرطے کہ ٹیلیفون پر کسی اسلامی ملک کا قاضی یا مذہبی رہنما رویت ہلال کی خبر لفظ اشھــــد کے ساتھ دے، اور اس قاضی رہنما کی آواز کو خوب اچھی طرح پہچاننے والا معتبر اور ذمہ دار مسلمان ہی سن رہا ہو، اور پھر وہ ٹیلیفون کی آواز سننے والا بھی شہادت دے کہ پوری طرح قاضی یا رہنما کی آواز کو پہچان کر اس کی شہادت دینے کی شہادت دیتا ہوں۔ یا اس کے علاوہ بھی ٹیلی فون پر کوئی صورت ہو تو تحریر فرمائیں۔

(د)

اسلامی ملک سے شہادت لینے کی صورت میں کیا قرب و بعد کی بھی قید لگائی جائے گی کہ قریب ترین یا برطانیہ سے نسبتاً کم فاصلہ پر اسلامی ممالک ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ یا کسی بھی اسلامی ملک سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

(ہ) چونکہ برطانیہ کا موسم سال بھر ابر آلود رہتا ہے، اس لیے یہاں کسی بھی ماہ کا چاند دیکھنا عمومی طور پر مشکل ہی ہے، بایں وجہ اکمال مدت کی صورت میں بھی اختلاف ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اگر دو شخص پاکستان یا ہندوستان سے آکر شہادت دیتے ہیں کہ میں نے شعبان کا چاند فلاں تاریخ کو دیکھا تھا۔ تو انہیں ایام میں دو اشخاص سعودی عرب، یمن، شام، یا مصر، سے آکر اختلاف تاریخ کے ساتھ رویت ہلال کی شہادت دیتے رہتے ہیں اس لیے کہ برطانیہ کے اکثر شہروں میں بہت سے مسلم ممالک کے مسلمان کم وبیش آباد ہیں اور ان کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے گا اور اکمال مدت کے لئے کس کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا؟ جب کہ کوئی شاہد ایک دوسرے پر اوصاف شاہدیت میں ترجیح نہ رکھتے ہوں۔

یوں اسلامی تہذیب کا اس ملک میں مغربی تہذیب سے مقابلہ شدید جاری ہے اور مسلمان کی اکثریت یہاں رمضان وعیدین کے لیے ٹیلیفون یا ریڈیو کی خبر کا اعتبار کر کے ہی عموم بلویٰ کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ ایسے افراد کی تعداد بہت کم ہے جو ابھی تک کسی بھی طرح، کسی بھی شرط کے ساتھ ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار نہ فرمانے والے علما کے ساتھ ہیں۔

کیا ان حالات میں الضرورات تبیح المحظورات یا عموم بلوی کے ضمن میں یا فقہی جزئیات پر تفریعات وقیاسات کے پیش نظر یا دیگر ائمہ کے مسلک سے وابستہ کسی فقیہ کے نظریہ کی جانب رجوع کر کے یا کسی قول ضعیف پر اعتبار کر کے برطانیہ کے مسلمانوں کو انتشار سے بچانے کے لئے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

اگر ایسا ہے تو برائے کرم تفصیلی طور پر حوالے کے ساتھ جواب تحریر فرما کر ہم پر احسان عظیم فرمائیں۔اور یہاں کے مسلمانوں کی پریشانیوں کو دور کر کے عند اللہ ماجور ہوں، جو عیسائیوں کے اس ملک میں اسلام کا تعارف عملی زندگی سے کرانے کی پوزیشن میں ہیں۔

والسلام۔

(مولانا) شاہد رضا نعیمی

الجواب

اسلام ایک آفاقی اور ابدی مذہب ہے جو بلا تخصیص سب کو اپنی اتباع اور پیروی کی دعوت دیتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا، ۲۸)

[اے محبوب ہم نے تم کو ایسی رسالت سے بھیجا جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے]

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (اعراف، ۱۵۸)

[اے محبوب تم فرمادو، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں]

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران، ۳۱)

[اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔]

اور ہمیشہ ہر شعبۂ حیات میں جملہ انفرادی واجتماعی حیثیتوں سے اپنے ماننے

والوں کی رہنمائی ورہبری فرماتا ہے۔دین ہو یا دنیا، کسی بھی جہت سے وہ اپنے ماننے والوں کو آزاد اور مطلق العنان چھوڑ نہیں دیتا، بلکہ نماز و روزہ، زکات و حج، نکاح و طلاق، خرید و فروخت، غرض کہ عبادات ہوں یا معاملات، تمام امور سے متعلق استوار ضابطے اور محکم اصول دیتا ہے، اور ان ہی اصول و ضوابط کے مطابق زندگی گزارنے کا نام اسلام ہے۔ جس کے معنی ہی اطاعت و فرماں برداری کے ہیں۔ یعنی مسلمان اپنے دینی و دنیوی دونوں ہی معاملوں میں خدائی احکام کے تابع اور فرمانبردار ہوں گے۔ خواہ ان معاملات کی کُنہ و حقیقت ان کی ناقص سمجھ میں آئے، یا نہ آئے؛ کیوں کہ کسی بات کا عام انسانی عقلوں میں نہ آنا اس کے صحیح نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ چنانچہ آئے دن کی ایجادات و اختراعات اور نت نئی سائنسی تحقیقات اس حقیقت کو بے نقاب کر رہی ہیں۔

روزہ: اسلام کا ایک اہم فریضہ اور بہترین عبادت روزہ بھی ہے، جس کے معنی خدا کی فرمانبرداری میں کھانے، پینے اور جماع سے باز رہنے کے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ سال کے بارہ مہینے ہیں، دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ تو کس مہینے اور کس وقت میں ان چیزوں سے باز رہنے پر یہ فریضہ ادا ہوگا۔ قرآن نے اس کا جواب دیا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ
هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ
ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ط

(البقرہ، ۱۸۵)

[رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لیے
ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی
یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔]

اور فرمایا ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ
الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ
مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّو الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ
۔(بقرۃ، ۱۸۷)

[اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے
سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے، پو پھٹ کر، پھر
رات آنے تک روزے پورے کرو۔]

لیکن اسی مہینہ اور ان ہی اوقات کی خصوصیت کیوں ہے؟ دوسرے مہینے یا دوسرے اوقات میں کیوں نہیں ہو سکتے؟ اس کی حکمتوں کو ہم اپنی عقلوں کے مطابق لاکھ سمجھ لیں، جیسا کہ اس فن کی کتابوں سے ظاہر ہے، مگر ہم ان کے حقیقی اور واقعی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ہمیں تو بس اللہ کا حکم سمجھ کر اس کی تعمیل کرنی ہے۔

سال: خداوند قدوس نے پورے سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم فرمایا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ

شَهْرًا فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (توبہ،۳۶)

[بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے آسمان وزمین بنائے۔]

اور چاند سورج کی گردشوں سے وقتوں اور مہینوں کے درمیان فرق و امتیاز فرمایا۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔ (یونس،۵)

[وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا اور چاند کو چمکتا بنایا اور اس کے لیے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو۔]

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط وَكُلَّ شَىْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا (بنی اسرائیل،۱۲)

[اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا تو رات کی

نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانی دکھانے والی کہ اپنے
رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب جانو
اور ہم نے ہر چیز خوب جدا جدا ظاہر فرمادی۔]

رویت: اور اس فرق وامتیاز کے ادراک کا دار ومدار، رویت ومشاہدہ پر رکھا، جیسا کہ لفظ شہود اور اتین وغیرہ سے سمجھ میں آتا ہے؛ کیوں کہ اسلام کے ماننے والے ہر طبقہ کے لوگ دنیا کے ہر خطہ میں رہتے ہیں، جن میں شہری، متمدن، تعلیم یافتہ، دیہاتی، بادیہ نشیں اور ان پڑھ سبھی ہوتے ہیں ـــــ اور یکساں قانون کے طور پر رویت سے زیادہ ممکن ومتیسر العمل کچھ نہیں ہوسکتا۔ حساب وکتاب کی باریکیوں کو سمجھنا اور ان کی گتھیوں کو سلجھانا سب کے لیے ممکن نہیں۔ اور سب کو اس کا پابند کرنے میں حرج ودشواری کا سامنا ہوتا، جو روح اسلامی کے قطعاً خلاف ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا ط
(بقرۃ، ۲۸۶)

[اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔]

وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ
حَرَجٍ ط (حج، ۷۸)

[اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔]

یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ

الْعُسْرَ. (بقرة،۱۸۵)

[اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔]

عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ان الدين يسر. (بخاری، حدیث:۳۹، ج:۱،ص:۱۶)

[حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے۔]

أحب الدين الی الله الحنيفية السمحة.

(مسند امام اعظم)

[اللہ تعالی کو سہل اور آسان دین پسند ہے۔]

یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا يعنی مرة تسعة وعشرين ومرة ثلثين. (بخاری، حدیث:۱۹۱۳)

[ہم حساب و کتاب کی باریکیوں سے دور رہنے والی اُمّی قوم ہیں، مہینہ کبھی انتیس کا ہوتا ہے کبھی تیس کا۔]

صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان غمّ عليكم فاقدروا ثلاثين ۰ (نسائی، حدیث: ۲۱۱۸)

[چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر ہی عید کرو! چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو!]

ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی میں ہے:

فلم نكلف فى تعريف مواقيت صومنا ولا عبادتنا ما نحتاج فيه الى معرفة حساب ولا كتاب انما ربطت عبادتنا بأعلام واضحة و امور ظاهرة لائحة يستوى فى معرفتها الحساب وغيرهم ۰ (ج:۳،ص:۳۵۹)

[ہم اپنے روزے اور دوسری عبادتوں کے اوقات کو معلوم کرنے کے لیے ایسی چیزوں کے مکلّف نہیں کیے گئے ہیں جن میں حساب وکتاب کی ضرورت ہو، بلکہ ہماری عبادتیں کھلی ہوئی نشانیوں اور واضح علامتوں سے تعلق رکھتی ہیں جن کی معرفت حساب داں اور غیر حساب داں سب کے لیے یکساں ہے۔]

مشہور شارح حدیث علامہ طیبی فرماتے ہیں:

ان الاستقصاء فى معرفة الشهر لا الى الكتاب والحساب كما عليه أهل النجامة ۰ (مرقاۃ المفاتیح، ج:۴،ص:۴۰۶)

[مہینوں کی معرفت کے لیے نجومیوں کی طرح حساب و کتاب پر ہمارا مدار نہیں۔]

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

انما بالغ فی البیان بما ذکره مع الاشارة المذکورة لیبطل الرجوع الی ما علیه الحساب المنجمون ۰ (مرقاۃ المفاتیح ، ج:۴، ص:۱۳۷۴)

[مذکورہ اشارہ کے باوجود حضور نے بیان فرمانے میں مبالغہ سے کام اس لیے لیا کہ حساب کرنے والے نجومی وغیرہ کے طریقوں کا رد ہو جائے۔]

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ان العمل ما یعتاده المنجمون لیس من هدینا و سنتنا بل علمنا یتعلق برؤیة الهلال فانا نراه مرة تسعا وعشرین و مرة ثلاثین ۰ (مرقاۃ المفاتیح، ج:۴، ص:۴۰۶)

[نجومیوں کے طریقوں پر عمل، ہمارے طریقے اور سنت کے خلاف ہے بلکہ اس کا علم چاند دیکھنے سے متعلق ہے؛ کیوں کہ یہ ہمیں کبھی انتیس کو دکھائی دیتا ہے کبھی تیس کو۔]

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں:

ولم يقل فسئلوا أهل الحساب، والحكمة فيه كون العدد عند الاغماء يستوى فيه المكلفون فيرتفع الاختلاف والنزاع عنهم ۰ (ج:۴،ص:۱۲۷)

[حساب داں سے پوچھنے کو نہیں فرمایا؛ کیوں کہ اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ چاند نظر نہ آنے کی صورت میں بھی ایسا طریقہ ہونا چاہیے جس میں تمام مکلفین یکساں شریک ہوں اور ان میں اختلاف ونزاع نہ ہوسکیں۔]

علامہ ابوبکر جصاص رازی فرماتے ہیں:

علق الحكم فيه برؤية الأهلة ولما كانت هذه عبادة تلزم الكافّة لم يجز أن يكون الحكم فيه متعلقا بما لا يعرفه الا خواص من الناس ۰ (احکام القرآن، ج:۱،ص:۲۴۵)

[حکم کا مدار چاند دیکھے جانے پر رکھا؛ کیوں کہ جب یہ عبادت سب کے لیے ہے تو ایسا طریقہ جسے صرف خواص ہی اپنا سکتے ہوں اس کے لیے مناسب نہیں۔]

حجۃ اللہ البالغۃ میں ہے:

مبنى الشرائع على الأمور الظاهرة عند الأميين دون التعمق والمحاسبات النجومية، بل الشريعة واردة باخمال ذكرها•

واعلم أن من المقاصد المهمة فى باب الصوم سد ذرائع التعمق ورد ما أحدثه فيه المتعمقون؛ فان هذه الطاعة كانت شائعة فى اليهود والنصارى، ومتحنثى العرب•

(ج:۲،ص:۵۱)

[شریعت کا مدار اُمّی قوم کے نزدیک ظاہری امور پر ہے، تعمق اور محاسبات نجومیہ پر نہیں، بلکہ شریعت تو اس کا ذکر مٹانے کے لیے وارد ہوئی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ روزے کے باب میں ایک اہم مقصد تعمق کے ذرائع کو روکنا اور تعمق کرنے والوں نے اس سلسلے میں جو طریقے اپنا رکھے ہیں ان کو رد کرنا ہے؛ کیوں کہ یہود و نصاریٰ اور عرب کے پرہیز گاروں میں یہ عبادت عام تھی۔]

نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ پوری دنیا جان لے کہ مسلمان چاند،

سورج کی پرستش نہیں کرتے ہیں۔ یہ صرف مسلمانوں کی عبادتوں کے اوقات کی علامت ونشانی ہیں۔ ان کے کسی حال کا، مسلمانوں کی عبادت میں، براہ راست کوئی دخل نہیں، ان کی عبادت فی نفسہ کسی شرط وقید کی پابند نہیں۔

اسیر شمس وقمر ہو کے کیا ملے گا تجھے
بنائے شمس و قمر لا الہ الا اللہ

یہی وجہ ہے کہ سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے اور نیا چاند دیکھ کر اس کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کو مکروہ کہا گیا ہے؛ کیوں کہ ان اوقات میں مشرکین چاند سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اب اگر مسلمان بھی ان اوقات میں نماز پڑھیں اور چاند کی طرف رخ کر کے دعا مانگیں تو سورج اور چاند کی پرستش سے تشبہ پیدا ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تحروا بصلاتکم طلوع الشمس ولا غروبها۔ (بخاری، حدیث:۵۸۳، مسلم، حدیث:۲۹۰)

[سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز نہ پڑھو!]

عمدۃ الرعایۃ میں ہے:

انما النقصان فيه لكونه وقت عبادة الشمس فالعبادة فيه مورثة الى التشبه بالكفار وهو مما يحترز عنه۔ (ج:۱،ص:۱۵۱)

[سورج کی پرستش کا وقت ہونے کی وجہ سے اس میں نقصان آیا؛ کیوں کہ اس وقت عبادت کرنا کافروں سے تشبہ پیدا کرتا ہے، جس سے احتراز کا حکم ہے۔]

ابوداؤد شریف میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا رأى الهلال صرّف وجهه عنه ٠ (حدیث:۵۰۹۳)

[حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیا چاند دیکھ کر اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیتے تھے۔]

چنانچہ یہی حکمت، خداوند قدوس نے تحویل قبلہ کے سلسلے میں ارشاد فرمائی ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط (بقرة،۱۴۳)

[اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔]

اور استقبال قبلہ کے بارے میں بھی یہی فرمایا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ
الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج (بقرة، ۱۷۷)

[کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، ہاں! اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر۔]

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زنّاری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

سہولت وآسانی مقصود ہونے کی وجہ سے ہی طلوع وغروب حقیقی یعنی مشرق ومغرب میں افق حقیقی پر سورج کے مرکز کا منطبق ہونا، جن کا وقت بتانے کے لیے مقام کا عرض البلد اور سورج کا جزء میل معلوم کرنا ہی کافی ہوتا ہے، اور ہم اس کے ذریعہ سے ہر عرض البلد کے لیے تعدیل النہار کا نقشہ تیار کر سکتے ہیں، شریعت مطہرہ میں اس کا اعتبار نہیں، بلکہ مرئی ومشاہد کا اعتبار ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اسی طرح چاند کے چھوٹا بڑا ہونے، یا دن ہی میں نظر آجانے کا اعتبار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو قرب قیامت کی نشانی قرار دیا ہے کہ لوگ بڑا چاند دیکھ کر کہیں کہ یہ گزشتہ شب کا ہے۔

من اقتراب الساعة أن يرى الهلال قبلا فيقال

للیلتین ۰ (جامع صغیر،۸۲۳۲)

[قرب قیامت کی علامت ہوگی جب چاند بڑا نظر آنے پر لوگ کہیں کہ دوراتوں کا ہے]

من أشراط الساعة ان یروا الهلال فیقولون ابن لیلتین وهو ابن لیلة ۰

(الخصائص الکبری، ج:۲،ص:۲۷۱)

[قیامت قریب آجانے کی نشانی ہوگی کہ لوگ چاند دیکھ کر کہیں گے: یہ تو دوراتوں کا ہے، جب کہ وہ اسی رات کا ہوگا۔]

مسلم شریف میں ابوالبختری سے مروی ہے کہ بڑا چاند دیکھ کر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو دوتین دن پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اسے کب دیکھا؟ بتایا گیا کہ فلاں دن! اِس پر آپ نے فرمایا کہ بے شک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بے شک اللہ تعالی نے اس کا مدار تمہارے چاند کے دیکھنے پر رکھا ہے تو جس رات کو تم دیکھو اسی رات کا مانا جائے گا۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فقال: أيّ لیلة رأیتموه، قالا: قلنا لیلة کذا وکذا، فقال: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ان الله مده للرؤیة، فهو للیلة

رأیتموہ۔ (حدیث،۱۰۸۸)

فقہ کی بیشتر معتمدات میں ہے:

لا تعتبر رؤیتہ نہارا۔

[دن میں چاند دیکھے جانے کا اعتبار نہیں۔]

پھر شریعت مطہرہ نے ان عبادتوں کو جن کا تعلق اوقات سے ہے سورج کی گردش سے متعلق فرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط (ہود،۱۱۴)

[اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں۔]

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط (بنی اسرائیل،۷۸)

[نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن۔]

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا ج وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی۔

(طہٰ،۱۳۰)

[اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج
چمکنے سے پہلے، اور اس کے ڈوبنے سے پہلے، اور رات کی
گھڑیوں میں، اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر،
اس امید پر کہ تم راضی ہو۔]

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ
تُصْبِحُوْنَ. (روم، ۱۷)

تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور جب صبح ہو۔]

وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (روم، ۱۸)

[اور اسی کی تعریف ہے، آسمانوں اور زمین میں اور کچھ
دن رہے اور جب تمہیں دوپہر ہو۔]

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ
الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ
مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى
الَّيْلِ۔ (بقرة، ۱۸۷)

[اور کھاؤ پیو یہاں تک کے ظاہر ہو جائے تمہارے لیے
سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے، پو پھٹ کر، پھر
رات آنے تک روزے پورے کرو۔]

کیوں کہ پوری امّت کے لیے اسی میں سہولت و آسانی ہے؛ اس لیے کہ سورج کی گردش ہمہ وقت مشاہدہ میں آتی ہے۔ ابھی طلوع ہوا، ابھی دن چڑھا، ابھی ڈھلا، اور ابھی غروب ہوا۔ بخلاف چاند کے؛ کیوں کہ اس کی گردش ہمہ وقت مشاہدہ میں نہیں آتی ہے۔

پس اگر ان عبادتوں کو جن کا تعلق وقت سے ہے، سورج کی گردش سے متعلق نہ کرکے، چاند کی گردش سے متعلق کر دیا جاتا تو حرج و دشواری ہوتی، جسے شریعت مطہرہ ہرگز پسند نہیں فرماتی ہے۔

اور ان عبادتوں کو جن کا تعلق تاریخ سے ہے، چاند کی گردش سے متعلق فرمایا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط (بقرہ،۱۸۹)

[تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرما دو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لیے۔]

صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته. الحديث.

(بخاری، حدیث: ۱۹۰۹، مسلم، ۱۰۸۱)

[چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید مناؤ!]

فتح الباری میں ہے:

اى اجعلوا عبادتكم مرتبطة ابتداءً وانتهاءً

باستهلاله • (ج:۴،ص:۱۲۳)

یعنی اپنی عبادتوں (روزہ،عید اور حج) کی ابتدا اور انتہا دونوں کو چاند کی رویت سے متعلق اور مربوط رکھو!]

حضرت شیخ ملا احمد جیون فرماتے ہیں:

قرر الله تعالی أحكام الشرائع مثل الصوم والزكوة والحج والعدة على الأهلة

(تفسیرات احمدیہ)

[خدا نے شریعت کے احکام، مثلاً روزہ، زکوۃ، حج اور عدت کا مدار چاند پر رکھا ہے۔]

کیوں کہ ان عبادتوں کو چاند ہی کی گردش سے متعلق کرنے میں بندوں کے لیے سہولت و آسانی تھی؛ اس لیے کہ مہینے کے اختتام و آغاز پر کچھ عرصہ غائب رہنے کے بعد چاند نکلتا ہے، اور اس کی گردش ممتاز ہو کر عام مشاہدہ میں آتی ہے۔ بخلاف سورج کے؛ کیوں کہ اس کی گردش مہینے کے اختتام و آغاز پر ممتاز ہو کر مشاہدہ میں نہیں آتی ہے۔

لہذا جن عبادتوں کا تعلق تاریخ سے ہے، ان کو سورج کی گردش سے متعلق کرنے میں حساب و کتاب کی دقتوں میں پڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں؛ کیوں کہ سورج اپنے سالانہ محور پر ایک سیکنڈ میں تقریباً 0.0000114 ڈگری ــــ ایک منٹ میں 0.0006844 ڈگری ــــ ایک گھنٹے میں 0.0410686

ڈگری ـــ اور ایک دن میں 0.9856471 ڈگری حرکت کرتا ہے۔ اس لیے اس کو اپنے سالانہ محور کی ایک ڈگری طے کرنے میں تقریباً 1.0145618 دن لگ جاتا ہے ـــــــ اور ایک مکمل دورہ (360 ڈگری) پورا کرنے میں 365.24225 دن لگ جاتے ہیں۔ جو بارہ مہینوں پر برابر برابر منقسم نہیں ہوتے ہیں۔ اس لیے جنوری، مارچ، مئی، جولائی، اکتوبر اور دسمبر اکتیس دن کے ـــ اپریل، جون، ستمبر اور نومبر تیس دن کے ـــ اور فروری اٹھائیس دن کی مانی جاتی ہے۔ اور عمومی سال 365 دن کا مان لیا جاتا ہے۔

لیکن چوں کہ ہر سال 0.24225 دن بڑھ جاتا ہے، اس لیے چوتھے سال 0.969 (تقریباً ایک دن) بچ جاتا ہے، تو فروری 28 دن کی بجائے 29 دن کی کر دی جاتی ہے، اور سال 366 دنوں کا مانا جاتا ہے۔ اس طرح چار برسوں کے 1461 دن کر دیئے جاتے ہیں۔

مگر چوں کہ چوتھے سال ایک دن پورا نہیں بچتا ہے، بلکہ اس میں 0.031 دن کم رہ جاتا ہے، تو سو سال پر 0.775 دن کم رہ جاتا ہے۔ اس لیے فروری پھر 29 دن کی بجائے 28 دن کی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح سو (100) برسوں میں 36525 دنوں کی بجائے 36524 دن مانے جاتے ہیں۔

لیکن چوں کہ سو (100) سال پر پورا ایک دن کم نہیں ہوتا ہے، اس لیے فروری 28 دنوں کی کر دینے کے بعد بھی 0.225 دن بچ جاتا ہے، جو چار سو (400) سال میں 0.900 دن ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں پھر فروری

3-F-B

28 دنوں کی بجائے 29 دنوں کی کر دی جاتی ہے۔اس طرح چار سو (400) برسوں میں 146096 دنوں کی بجائے 146097 دن کر دیے جاتے ہیں۔

مگر چوں کہ چار سو (400) سال پر بھی پورا ایک دن زیادہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں 0.100 دن کم رہ جاتا ہے، اس لیے چار ہزار (4000) سال پر پھر فروری 29 دنوں کی بجائے 28 دنوں کی کر دی جاتی ہے ۔اس طرح چار ہزار (4000) برسوں میں جا کر 1460969 دن پورے کئے جاتے ہیں۔

پس اگر ان عبادتوں کو جن کا تعلق تاریخ سے ہے، چاند کی گردش سے متعلق نہ کر کے سورج کی گردش سے متعلق کر دیا جاتا تو حرج لازم آتا، جو مزاج شریعت کے قطعاً خلاف ہے۔

نقشہ اوقات نماز:

کہا جاتا ہے کہ جس طرح آفتاب کی گردش سے متعلق عبادتوں میں اصل مدار رویت پر ہونے کے باوجود حساب کی مدد سے ان کے اوقات متعین کر دیے گئے ہیں، اسی طرح ماہتاب کی گردش سے متعلق عبادتوں میں اگر چہ اصل مدار رویت و مشاہدہ ہی پر ہے۔اگر حساب کی مدد سے ان کے لیے بھی تاریخیں متعین کر دی جائیں تو حرج کیا ہے؟

لیکن ہر آدمی جانتا ہے کہ صدہا سال کا مسلسل تجربہ ظن غالب کا افادہ کرتا ہے۔

الظاهر أن التجربة يحصل بها غلبة الظن ۰
(ردالمحتار، ج:۱، ص۲۱۰)

[ظاہر ہے کہ تجربے سے ظن غالب ہو جاتا ہے۔]

غلبة الظن تعمل عمل اليقين فی حق وجوب العمل ۰ (بحرالرائق، ج:۱، ص:۱۶۹)

[وجوب کے سلسلہ میں میں ظن غالب یقین ہی کا افادہ کرتا ہے۔]

اور سورج کی گردش سے متعلق عبادتوں کے اوقات صدہا سال کے مسلسل تجربوں سے ثابت ہوئے ہیں کہ فلاں تاریخ کو، فلاں شہر میں اتنے گھنٹے، اتنے منٹ، اتنے سیکنڈ پر ہوں گے۔ مثلاً طلوع وغروب شرعی یعنی پورب کی طرف آفتاب کی کرن چمکنے یا پچھم کی طرف نگاہ سے اوجھل ہو جانے کا وقت معلوم کرنے کے لیے دشواری یہ تھی کہ زمین کے اوپر متقدمین کے بقول پچیس اور متاخرین کے بقول پینتالیس میل تک بخارات اور غلیظ ہوا کا محیط ہونا اور شعاع بصر کا پہلے اس ملأ غلیظ پھر اس کے بعد ملأ صافی سے گزر کر افق میں پہنچنا بصری شعاعوں کے لیے انکسار و انعطاف کا موجب ہے، جس کے سبب سے آفتاب پورب طرف افق حقیقی پر آنے سے کچھ پہلے ہی ہمیں نظر آنے لگتا ہے اور پچھم طرف افق حقیقی سے نیچے چلے جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک نظر آتا رہتا ہے۔ سینکڑوں برس کے مسلسل تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ اس کی مقدار اوسطاً 33

دقیقہ فلکیہ ہے۔ اب قاعدہ کلیہ بنا کہ ان 33 دقیقوں سے اختلاف منظر کے 9 ثانیے (سیکنڈ) منہا کر کے باقی پر اس کا نصف انتصابی قطر شمس زائد کریں تو یہ انحطاطِ شمس کی مقدار ہوگی۔ یعنی طلوع وغروب کے وقت آفتاب افق حقیقی سے اتنے دقیقے نیچے ہوگا۔

اب انحطاط کی مقدار معلوم کرنے کے قواعد سے، جو علم ہیئت و زیج میں بتائے گئے ہیں، وقت سے پہلے حکم لگا دیتے ہیں کہ فلاں مقام پر، فلاں تاریخ کو اتنے گھنٹے، اتنے منٹ، اتنے سیکنڈ میں آفتاب طلوع ہوگا۔ اور اتنے گھنٹے، اتنے منٹ، اتنے سیکنڈ پر غروب۔

کلینڈر:

مگر چاند کی گردشوں سے متعلق عبادتوں کی تاریخیں مسلسل تجربوں سے ثابت نہ ہو سکیں، اس لیے بطلیموس جس نے فیثا غورث کے نظریہ کو باطل قرار دے کر دنیا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا تھا اور دنیا اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی تھی، انہوں نے بھی اپنی مشہور عالم کتاب مجسطی میں متحیرہ خمسہ: عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل اور کواکب (وہ ستارے جو ہمیشہ آسمان میں ایک ہی جگہ نظر آتے ہیں) کے ظہور و خفا کے لیے ابواب تو وضع کیے ہیں مگر رویت ہلال سے متعلق اصلاً بحث نہیں کی ہے؛ کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ عام انسانی قدرت کی چیز نہیں ہے اور انسان اس کا ضابطہ کلیہ نہیں بنا سکتا۔

بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے تجربوں کی بنا پر اگر چہ درجۂ ارتفاع، یا بعد

سواء، یا بعد معدّل اور قوس تعدیل الغروب وغیرہ کے لحاظ سے کچھ باتیں بیان کی ہیں، مگر سب ایک دوسرے سے متعارض ہیں۔ ساتھ ہی کوئی اپنی قرارداد پر جزم بھی نہیں رکھتا، جیسا کہ واقف فن سے مخفی نہیں۔

لاجرم شارح بخاری علامہ ابن بطال (م: ۴۴۹ھ) نے فرمایا ہے:

فيه بيان لقوله عليه السلام "فاقدروا له" ان معناه اكمال العدد ثلاثين يوماً كما تأول الفقهاء ولا اعتبار في ذلك بالنجوم والحساب. وهذا الحديث ناسخ لمراعاة النجوم بقوانين التعديل وانما المعول على الرؤية فى الأهلة التى جعلها الله مواقيت للناس فى الصيام والحج والعدد والديون، وانما لنا ان ننظر من علم الحساب ما يكون عيانا أو كالعيان وأما ما غمض حتى لا يدرك الا بالظنون وتكييف الهيئات الغائبة عن الأبصار فقد نهينا عنه وعن تكلفه•

وعلة ذلك ان رسول الله انما بعث الى الأميين الذين لايقرؤون الكتاب ولايحسبون بالقوانين الغائبة وانمايحسبون الموجودات

عیاناً ۔ (شرح بخاری، ج:۴،ص:۳۲)

[حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''فاقدروا لہ'' کے معنی یہ ہیں کہ تیس دن پورے کرو! جیسا کہ فقہا فرماتے ہیں☆

[اس بارے میں علم نجوم وحساب کا اعتبار نہیں۔ یہ حدیث قوانین تعدیل کے ساتھ نجوم کی مراعات کو ختم کر رہی ہے۔ مدار صرف چاند کی رویت پر ہے، جسے اللہ تعالی نے لوگوں کے لیے دیون، خواتین کی عدت، حج اور روزے کے اوقات کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ ہمارے حق میں یہ ہے کہ ہم اس علم الحساب کو دیکھیں جو عیاں یا کالعیاں ہو۔ رہا دقیق وغامض علم الحساب! جس کا ادراک ظن وگمان اور نظروں سے پوشیدہ اجرام سماویہ کے احوال سے ہوتا ہے، ہمیں اس سے اوراس میں تکلف سے منع فرمایا گیا ہے ؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اُمّی قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، جو نہ نوِشتے کو پڑھتی ہے اور نہ نگاہوں سے پوشیدہ قوانین کا حساب کرتی ہے۔ وہ تو بس

☆ بلکہ خود حدیث پاک میں ہے: اذا رأیتم الھلال فصوموا واذا رأیتموہ فافطروا فان غم علیکم فعدوا ثلاثین یوماً ۔

موجودات عیانیہ کا حساب کرتی ہے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے:

قال ابن بطال: فی الح دیث رفع لمراعاة النجوم بقوانین التعدیل وانما المعول رؤیة الأهلة وقد نهینا عن التکلف ولا شک أن في مراعاة ما غمض حتی لا یدرک الا بالظنون غایة التکلف ۰ (فتح الباری، ج:۴،ص:۱۲۷)

[ابنِ بطال نے کہا کہ حدیث پاک میں علم نجوم کے قواعد کی رعایتوں سے روکنا اور رویت ہلال پر اعتماد کرانا مقصود ہے؛ کیوں کہ ہم تو تکلفات سے باز رکھے گئے ہیں، اوران چیزوں کی رعایت میں تکلفات ہی تکلفات ہیں اوراس کے باوجود بھی محض ظن ہی حاصل ہوتا ہے۔]

جب کہ قرآنی ارشاد ہے:

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ط (یونس/۳٦)

[بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا۔]

اس لیے جدید ہیئت داں (ASTRONOMER) جوفضول باتوں میں تو نہایت تدقیق وتعمق کرتے ہیں اور سالانہ المنک (ALMANAC)

میں ہر دن کے لیے چاند کے ایک ایک گھنٹے کا میل و مطالع اور ہر ہر مہینے میں آفتاب کے ساتھ اس کے جملہ انظار اجتماع و استقبال، تربیع ایمن وایسر کے اوقات دیتے ہیں۔ اور ہر ہر تاریخ پر متحیران وثوابت کے ساتھ اس کے قرانات بیان کرتے ہیں۔ مگر رویت ہلال کا وقت نہیں دیتے۔ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے بس کی چیز نہیں ہے۔ لاجرم امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے فرمایا:

وبه ظهر الجواب عما ذكر ههنا الامام السبكي الشافعي أن الشهادة ظنية والحساب قطعي فان رحمه الله تعالىٰ ظن أنه كسائر حسابات الهيئة من الطلوع والغروب والتحويل والتقويم والخسوف وليس كذلك بل هو مثل حساب وقت الكسوف بداية ونهاية، بل أدون رتبة فانه يتم بعد تكرار الأعمال الطوال مرة بعد مرة أخرى بخلاف هذا. من جرب تجربتي يعرف معرفتي لا جرم رده كل من جاء بعده من محققي الشافعية أيضا وحققوا: أن العبرة بشهادة الشرعية وان خالفت تلك القواعد العقلية كما فصّله في رد المحتار •

(ج:۱۰،ص:۵۷۶)

[امام سبکی شافعی نے جو فرمایا ہے کہ شہادت ظنی ہے اور حساب قطعی۔ مذکورہ بالا باتوں سے اس کا جواب ہوگیا؛ کیوں کہ ان کے خیال میں رویت ہلال کا حساب علم ہیئت کے دوسرے حسابات، مثلاً طلوع وغروب، تحویل وتقویم اور خسوف کی طرح ہے، حالاں کہ یہ بات نہیں، بلکہ رویت ہلال کا حساب کسوف کے حساب کی طرح ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ممکن الخطا؛ کیوں کہ وہ تو مسلسل حساب کے بعد صحیح بھی ہو جاتا ہے، بخلاف رویت ہلال کے حساب کے۔ جو شخص میرے تجربہ کو آزمائے گا، اسے میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔ لاجرم بعد کے تمام شافعی محققین نے بھی علامہ سبکی کا رد فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اعتبار شہادت شرعیہ ہی کا ہے، اگرچہ ان قواعد عقلیہ کے خلاف ہو۔ جیسا کہ ردالمحتار☆ میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

☆امام احمد رضا نے ردالمحتار کے اس مقام پر یہ تحقیقی حاشیہ تحریر فرمایا ہے، جسے بے انتہا مفید خیال کر کے ہم بطور تبرک یہاں نقل کر رہے ہیں:: **قولہ:.. ما قالہ السبکی**

مردود. رده عليه جماعة من المتأخرين • أقول: الحق ان شاء الله تعالى التفصيل: والأمر فيه أن هنا بابين: باب قواعد رؤية الهلال، وباب سير النيرين وطلوعهما وغروبهما ومنازل القمر. الأول: لا عبرة به لاختلافهم أنفسهم فيه كثيرا، وعدم حصولهم على قول قاطع كما لا يخفي على من يعرف الفن، ولذا لم يعرج عليه في "المجسطي" مع ايراده ظهور المتحيرة والثوابت واختفائها علماً منه بأنه شيء لا يدخل تحت الضبط، وهذا هو الذى رده ائمتنا رضى الله تعالى عنهم. والثانى: يقينى لا شك فيه تشهد به غير ما آية فى القرآن العظيم لقوله تعالى: اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (رحمٰن ٥) وقوله تعالى: وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ • وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (يٰس ٣٨/٣٩) فان قالت الحساب العلماء العدول بعدم امكان الرؤية بناء على الأول وشهدت البينة العادلة بالرؤية قبلت، وان بنوه على الثانى كما فى المسئلة الثانية، فان من المقطوع به الغير المتخلف أن الهلال لا يمكن أن يرى عادة ما لم يبعد عن الشمس عشر درج بل أكثر، فرؤيته نهارا قبل طلوع الشمس وليلاً بعد غروبها يستلزم قطعاً سير القمرفي نهار واحد

أكثر من عشرين درجة، ومعلوم قطعا أنه لا يسيرفي يوم وليلة الا نحو اثنتی عشرة درجة، فیکون فی ذلک تبدیل سنة الله ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا، فحينئذ يقطع العالم بأن الشهود شبه لهم، والقطعي لا مرد له، ولعل هذا هو مراد الامام السبکی رضی الله تعالى عنه فليكن التوفيق، والله تعالى أعلم (جدالممتار، مکتبہ دارالفقیہ ،ج:۴،ص:۷۴،۷۵)

[علامہ شامی نے کہا ہے کہ امام سبکی نے جو فرمایا وہ مردود ہے۔ متاخرین کی ایک جماعت نے ان کا رد فرمایا ہے۔ میں (امام احمد رضا) کہتا ہوں: ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں تفصیل ہے: معاملہ یہ ہے کہ یہاں دو ابواب ہیں:

(الف) رویت ہلال کے قواعد کا باب: اس باب کے قواعد کا اعتبار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان قواعد کے بارے میں خود اہل ہیئت ہی کے درمیان بڑے اختلافات ہیں، تو انہی لوگوں کو کوئی یقینی بات نہ مل سکی جیسا کہ واقف فن پر مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے ''مجسطی'' میں اس سے بحث نہیں کی باوجودے کہ متحیرہ وثوابت کے ظہور وخفا پر خوب بحثیں کی ہیں؛ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ ضابطہ کے تحت نہیں آسکتا۔ ہمارے ائمہ نے اسی کا رد فرمایا ہے۔

(ب) چاند سورج اور ان کے طلوع وغروب اور چاند کے منازل کا باب: اس کے قواعد یقینی ہیں۔ جس میں کوئی شک نہیں؛ کیوں کہ اس کی شہادت قرآن کریم کی متعدد آیتیں

دے رہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ (رحمٰن،۵) اور ارشاد ہے: سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے، یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں، یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال۔ (یٰس،۳۸/۳۹) تو اگر حساب جاننے والے عادل ہوں اور وہ بتائیں کہ پہلے باب کے قواعد کی رو سے انتیس کو چاند کی رویت ممکن نہیں، اور عادل گواہوں کی گواہی ہو کہ انہوں نے چاند دیکھا، تو ان کی گواہی مانی جائے گی، اور حساب دانوں کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف دوسرے باب کے قواعد کی بنا پر بتائیں کہ انتیس کی رویت ممکن نہیں، اور عادل گواہ شہادت دیں کہ انہوں نے چاند دیکھ لیا، تو گواہوں کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ یقینی بات ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کہ چاند جب تک کم سے کم سورج سے دس درجے دور نہ ہو جائے عادتاً اس کا دیکھنا ممکن نہیں۔ جب یہ قطعی طور پر معلوم ہے، تو دن کو سورج طلوع ہونے سے پہلے اور رات کو سورج غروب ہونے کے بعد دیکھنا یقیناً اس بات کو مستلزم ہے کہ چاند نے ایک ہی دن میں بیس درجے سے زیادہ مسافت طے کر لی، جب کہ بالیقین معلوم ہے کہ چاند ایک دن رات میں بارہ درجے سے زیادہ مسافت طے نہیں کرتا ہے۔ تو گواہوں کی گواہی ماننے میں سنت الہیہ میں تبدیلی لازم آئے گی، جب کہ سنت الہیہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، تو واقف کار جان لیں گے کہ گواہوں کو شبہہ ہو گیا؛ کیوں کہ قطعی میں شبہہ نہیں ہوتا۔ ہمیں امید ہے کہ امام سبکی رضی اللہ عنہ کی مراد یہی ہوگی۔ اس طرح امام سبکی اور دوسرے ائمہ کے اقوال میں تطبیق ہو جائے گی۔ انتہیٰ] محمد احمر رضوی

البتہ ہر شخص کے لیے رویت ضروری ہو، ایسا نہیں، بلکہ بعض بقدر کفایت کی رویت درکار ہے۔

علامہ نووی نے فرمایا ہے:

المراد رؤية بعض المسلمين ولا يشترط رؤية كل انسان ۰ (شرح مسلم، ج:۱، ص:۳۴۷)

[دیکھنے سے مراد بعض مسلمانوں کا دیکھ لینا ہے، ہر مسلمان کا دیکھنا شرط نہیں ہے۔]

علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے:

ليس المراد تعليق الصوم بالرؤية فی حق كل أحد بل المراد بذلک رؤية بعضهم ۰ (فتح الباری، ج:۴، ص:۱۲۳)

[دیکھنے پر روزہ کو معلق کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر آدمی دیکھے۔ بلکہ بعض اشخاص کا دیکھ لینا کافی ہے۔]

اور بعض بقدر کفایت کی تحدید میں باعتبار خصوص احوال، ہلال رمضان وغیر رمضان میں فرق ہے۔

(۱)

الف: رمضان کا چاند کے لیے مطلع صاف نہ ہو، یا دیکھنے والا کسی بلند مکان سے دیکھا ہو، یا باہر سے دیکھ کر آیا ہو، یا لوگ چاند دیکھنے میں غفلت برت

رہے ہیں، تو ایک ہی آدمی کی رویت کافی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

جاء أعرابي الى النبی صلى الله عليه وسلم، فقال: انی رأيت الهلال. يعني هلال رمضان، فقال: أتشهد أن لا اله الا الله؟ قال: نعم! قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟ قال: نعم! قال: يا بلال أذن فی الناس أن يصوموا غداً٠ (المستدرک للحاکم، ۱۵۴۳)

[ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض گزار ہوا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر گواہی دیتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا: ہاں! پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! (یعنی آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو اور جب اس نے اپنا مسلمان ہونا بیان کیا تو) آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں روزہ رکھنے کا اعلان کردو!]

''فتاوی عالم گیری'' میں ہے:

ان كان بالسماء علة فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة • (ج:١،ص:١٠١)

[آسمان میں ابر و غبار ہو تو ہلال رمضان کے لیے ایک آدمی کی گواہی مقبول ہے۔]

اسی میں ہے:

وذكر الطحاوى أنه تقبل شهادة الواحد اذا جاء من خارج المصر وكذا اذا كان على مكان مرتفع. كذا فى الهداية. وعلى قول الطحاوى اعتمد الامام المرغينانى وصاحب الأقضية والفتاوى الصغرى •

[امام طحاوی نے بیان کیا کہ دیکھنے والا شخص شہر سے باہر یا کسی بلند مکان سے دیکھا ہو تو ایک کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔ جیسا کہ ''ہدایہ'' میں ہے۔ اور امام طحاوی ہی کے قول پر امام مرغینانی، صاحب اقضیہ اور صاحب فتاوی صغری نے اعتماد فرمایا ہے۔

ب: غیر رمضان کا چاند کے لیے مطلع صاف نہ ہو، یا دیکھنے والا کسی بلند مکان سے دیکھا ہو، یا باہر سے دیکھ کر آیا ہو، یا لوگ چاند دیکھنے میں غفلت برت رہے ہوں، تو دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی رویت ضروری ہے۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

و ذكر شيخ الاسلام أن شهادة الاثنين تقبل أيضا اذا جاء ا من مكان آخر. هكذا فی الذخيرة. والأضحى كالفطر في ظاهر الرواية وهو الأصح، كذا فی الهداية، وكذا غيرهما من الأهلة لا تقبل فيه الا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ٠ (ج:١،ص:١٠١)

[ذخیرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام نے بیان کیا ہے کہ دوسری جگہ دیکھا ہو تو دو آدمی کی گواہی مقبول ہوگی، ظاہر روایت کی بنیاد پر عید اور قربانی دونوں ہی کے چاند کا یہی حکم ہے۔ اور یہی صحیح بھی ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ یوں ہی بقیہ مہینوں کے چاند کے لیے بھی دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔]

ہدایہ پھر فتاوی عالم گیری میں ہے:

و اذا كان بالسماء علة لا تقبل الا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ٠ (ج:١،ص١٩٦، فتاوی عالم گیری، ج:١،ص:١٠١)

[آسمان میں گرد و غبار ہو تو دو مرد، یا ایک مرد اور دو

عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔]

(۲)

مطلع صاف ہو، لوگ چاند دیکھنے میں غفلت نہ برتیں اور نہ ہی کوئی اونچی جگہ، یا باہر سے دیکھ کر آیا ہو تو رمضان و غیر رمضان سب کے لیے اتنے لوگوں کی رویت درکار ہے، جتنے لوگوں کی خبر سے قاضی شرع کو رویت کا ظن غالب ہو جائے۔

درمختار میں ہے:

وقیل بلا علة جمع عظیم یقع غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض علی رأی الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذهب •

[مطلع صاف ہو تو مذہب کے مطابق دیکھنے والوں کی کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔ بس اتنی بڑی جماعت کی خبر درکار ہے جس سے قاضی کو ظن غالب ہو جائے۔]

اس کے تحت شامی میں ہے:

قوله: "هو مفوض" قال فی السراج :لم یقدر بهذا الجمع تقدیر فی ظاهر الروایة، والصحیح ... أنه مفوض الی رأی الامام، ان وقع فی قلبه صحة ما شهدوا به وكثرت الشهود أمر

بالصوم. اهـ وكذا صححه فى المواهب وتبعه الشرنبلالي • ملخصاً (ج:٢،ص:٩٢)

[ماتن کے ارشاد: وہ امام کی رائے پر ہے'' کے تعلق سے ''سراج ''میں ہے کہ بڑی جماعت سے متعلق ظاہر روایت میں تعداد کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔...صحیح یہ ہے کہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے ،گواہ کثیر ہوں اوران کے دل میں گواہوں کی صحت جمے تو روزے کا حکم دیں گے۔ مواہب میں بھی اسی کو صحیح کہا ہے اور شرنبلالی نے اسی کی اتباع کی ہے۔]

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

و ان لم یکن بالسماء علة لا تقبل الا شهادة جمع کثیر یقع العلم بخبرهم وهو مفوض الى رأى الامام من غیر تقدیر هو الصحیح. کذا فى الاختیار شرح المختار. وسواء فى ذلک رمضان وشوال و ذو الحجة. کذا فى السراج الوهاج • (ج:١،ص:١٩٨)

[آسمان میں ابر وغبار نہ ہوتو اتنی بڑی جماعت کی شہادت درکار ہے جس کی خبر پر یقین فقہی ہو جائے اور یہ قاضی کی

صواب دید پر موقوف ہے۔ گواہوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں۔ یہی صحیح ہے، جیسا کہ اختیار شرح مختار میں ہے۔ اور یہ حکم رمضان، شوال، ذوالحجہ، سب کے لیے یکساں ہے، جیسا کہ سراج وہاج میں ہے۔]

مگر امام اعظم کے نزدیک سے مروی ہے کہ قاضی کو دو ہی کی شہادت سے ظن غالب ہو جائے تو دو کی رویت سے بھی چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔

''درمختار'' میں ہے:

وعن الامام أنه يكتفى بشاهدين واختاره فى البحر۔

[امام اعظم سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو آمی کی گواہی کافی ہے۔ بحرالرائق میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔]

علامہ ابن نجیم مصری نے فرمایا ہے:

وروى الحسن عن أبي حنيفة: أنه يقبل فيه شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان بالسماء علة أو لم يكن كما روى عنه فى هلال رمضان، كذا فى البدائع. ولم أر من رجحها من المشايخ وينبغى العمل عليها في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائى

الأهلة۔ (بحرالرائق، ج:۲، ص:۴۶۸)

[جس طرح امام ابو حنیفہ سے رمضان کے چاند کے بارے میں مروی ہے کہ مطلع صاف رہنے پر بھی ایک آدمی کی گواہی مقبول ہوگی، جیسا کہ ''بدائع'' میں ہے، اسی طرح حضرت حسن بن زیاد نے آپ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ غیر رمضان میں دو مرد۔ یا۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی، خواہ آسمان ابر آلود ہو، یا صاف۔ میں نے یہ تو نہیں دیکھا ہے کہ مشائخ میں سے کسی نے اس کو ترجیح دی ہو مگر اس زمانے میں اسی پر عمل کرنا مناسب ہے؛ کیوں کہ لوگ چاند دیکھنے میں سستی برتنے لگے ہیں۔]

تنبیہ: غلبۂ ظن اور یقین فقہی کا مطلب یہ ہے کہ جانب راجح پر دل کو اس درجہ وثوق و اعتماد ہو کہ دوسری جانب کو بالکل نظر سے ساقط کر دے اور محض ناقابل التفات سمجھے، گویا اس کا عدم و وجود یکساں ہے۔

''غمز عیون البصائر''، مکتبہ زکریا میں ہے:

الشک لغة مطلق التردد وفي اصطلاح الأصول: استواء طرفي الشيء، وهو الوقف بين الشيئين، بحيث لا يميل القلب الى

أحدهما، فان ترجح أحدهما. ولم يطرح الآخر، فهو ظن، فان طرحه، فهو غالب الظن، وهو بمنزلة اليقين • (ج:١،ص:١٨٣)

[شک: لغت میں مطلق تردد کا نام ہے۔ مگر اصطلاح اصول میں شے کی دونوں جانب برابر ہونے یعنی کسی بھی طرف میلان قلب نہ ہونے کو کہتے ہیں۔ اگر کسی جانب رجحان ہو مگر دوسری جانب بھی ساقط نہ ہو تو ظن ہے۔ اور دوسری جانب ساقط ہو جائے تو غالب ظن ہے جو یقین کے منزل میں ہوتا ہے۔]



ثبوت رویت کے لیے شریعت نے ذیل کے ۶ طریقے رکھے ہیں:

(۱)

شہادت: گواہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی گواہی دے، دوسروں کے دیکھنے کو نہ بتائے۔ اگر دوسروں کے دیکھنے کی بات بتائے تو نہیں مانی جائے گی؛ کیوں کہ دوسروں کے دیکھنے کی بات بتانا گواہی نہیں، حکایت ہے۔

''عالمگیری''، ج:۱،ص:۱۰۲ میں ہے:

لو شهد جماعة أن أهل بلدة كذا قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم ولم ير هؤلاء الهلال، لا يباح فطر غد ولا يترك التراويح فى هذه الليلة؛ لأنهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا روية غيرهم•

[ایک جماعت نے یہ گواہی دی کہ فلاں شہر والوں نے تم لوگوں سے ایک دن پہلے رمضان کا چاند دیکھا اور روزہ رکھا ہے، جس کے حساب سے آج تیسویں تاریخ ہے۔ مگر خود ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا ہے تو دوسرے دن نہ تو عید کرنا جائز ہے اور نہ ہی آج رات تراویح چھوڑ دینا؛ کیوں کہ اس جماعت نے نہ تو اپنے دیکھنے کی

شہادت دی ہے اور نہ ہی شہادت کی شہادت۔ بلکہ محض دوسروں کے دیکھنے کی حکایت کی ہے۔]

غیر رمضان کے چاند کی شہادت ہو تو قاضی یا اس کے قائم مقام کے سامنے لفظ أشهد یعنی ''میں گواہی دیتا ہوں'' کہنا بھی شرط ہے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

ينبغي ان يشترط فيه لفظ الشهادة. (ج:۱،ص:۹۴)

[اس میں گواہی کا لفظ ہونا بھی شرط ہے۔]

جہاں قاضی یا قائم مقام قاضی نہ ہوں وہاں عام لوگوں کے سامنے گواہی دینا ہی کافی ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا باخبار عدلين مع العلة للضرورة ٠

[جس شہر میں قاضی نہ ہوں وہاں لوگ ابر وغبار کی صورت میں ضرورتاً ایک معتمد آدمی کے قول پر روزہ اور دو معتمد آدمی کے قول پر عید کر لیں!]

فتاویٰ قاضی خان میں ہے

من رأى هلال رمضان فى الرستاق وليس

هناک وال وقاض فان کان الرجل ثقة یصوم الناس بقوله وفی الفطر ان أخبر عدلان برؤیة الهلال لا بأس بأن یفطروا۔ (ج:۱،ص۹۵)

[دیہات جہاں قاضی و والی نہیں، وہاں ایک ثقہ آدمی رمضان کا چاند دیکھے تو لوگ اس کی خبر پر روزہ رکھیں! یوں ہی دو معتبر آدمی چاند دیکھیں تو ان کی شہادت پر عید منانے میں حرج نہیں۔]



(۲)

شہادۃ علی الشہادۃ: گواہی دینے والوں نے خود چاند نہیں دیکھا مگر دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر ان کو گواہ بنایا۔

''درمختار'' میں ہے:

الشهادة على الشهادة مقبولة وان كثرت استحساناً ٠

[استحساناً گواہی پر گواہی مقبول ہے خواہ یہ سلسلہ دراز ہی کیوں نہ ہو۔]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

كما تجوز في درجة تجوز في درجات حتى تجوز الشهادة على شهادة الفروع ثم وثم صيانة لحقوقهم عن الاتواء. كذا في الكافي ٠ (ج:۳،ص:۵۲۳)

[جس طرح ایک واسطہ سے گواہی پر گواہی جائز ہے اسی طرح لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے کئی واسطوں سے بھی جائز ہے۔ حتی کہ شہادت علی الشہادت کا سلسلہ دراز ہو جائے تو بھی درست ہے۔ جیسا کہ کافی میں ہے۔]

حسب سابق رمضان کے لیے یہاں بھی ایک گواہ کافی ہے، مگر غیر رمضان کے لیے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

ہندیہ، ج:۱،ص:۱۰۱/ قاضی خان، ج:۱،ص:۹۴ میں ہے:

شهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة ...

وكذا شهادة الواحد على شهادة الواحد.

[رمضان کے چاند میں ایک شخص کی گواہی مقبول ہے یوں ہی ایک شخص کی گواہی پر ایک ہی شخص کی گواہی بھی۔]

فتاوی سراجیہ میں ہے:

على هلال رمضان لو شهد عدل على شهادة عدل جاز. (ج:،ص ۱۷۷)

[رمضان کے چاند میں اگر ایک معتبر شخص کی گواہی پر ایک ہی معتبر شخص گواہی دے تو جائز ہے۔]

نور الایضاح و مراقی الفلاح ص:۳۹۵ میں ہے:

و يقبل خبره لو شهد على شهادة واحد مثله؛ لأن العدد في الأصول ليس بشرط فكذا في الفروع.

[ایک آدمی کی گواہی پر ایک ہی آدمی گواہی دے تو اس کی گواہی مقبول ہے؛ کیوں کہ جس طرح اصول میں عدد شرط

نہیں فروع میں بھی شرط نہیں۔]

طحطاوی علی المراقی میں ہے:

بخلاف الشهادة على الشهادة في سائر الأحكام حيث لا تقبل ما لم يشهد على شهادة كل شاهد رجلان أو رجل و امرأتان. حلبی ٠

[شہادت علی الشہادت کا یہ حکم صرف رمضان سے متعلق ہے، غیر رمضان سے متعلق نہیں؛ کیوں کہ ان میں جب تک ہر گواہ کی گواہی پر دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نہ ہو مقبول نہ ہوگی۔]



(۳)

شہادت علی القضا: دوسری جگہ کے قاضی یا اس کے قائم مقام کے سامنے شہادت گزری اور انھوں نے ثبوت کا حکم دے دیا۔ اس بات کی گواہی دو ایسے شخص دیں جو وہاں موجود تھے۔ تو روزہ وعید لازم ہوں گے۔

فتاوی قاضی خاں پھر فتاوی ہندیہ میں ہے:

اذا شهد شاهدان عند قاض لم ير أهل بلده على أن قاضي بلد كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا، وقضى القاضي بشهادتهما جاز لهذا القاضي أن يقضي بشهادتهما؛ لأن قضاء القاضي حجة۔ (قاضی خاں، ج:۱،ص:۹۵، ہندیہ، ج:۱،ص:۱۰۲)

[جس قاضی کے یہاں رویت نہ ہوئی اگر وہاں دو شخصوں نے اس بات کی گواہی دی کہ فلاں قاضی کے سامنے دو شخصوں نے فلاں شب کو چاند دیکھنے کی گواہی دی اور قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ کیا تو اس قاضی کے لیے جائز ہے کہ ان کی شہادت پر فیصلہ کر دے؛ کیوں کہ قاضی کا فیصلہ حجت ہے۔]



(۴)

کتاب القاضی الی القاضی: جس قاضی کے سامنے گواہی گزری ہے، وہ قاضی دوسرے قاضی کو اس مضمون کا خط لکھ کر دستخط و مہر کر دے کہ میرے سامنے فلاں تاریخ کو فلاں شب کا چاند دیکھے جانے کی شرعی گواہی گزری۔ اور وہ خط دو گواہوں کے سپرد کر کے ان کو گواہ بنا دے۔ اب وہ گواہ مکتوب الیہ قاضی کے ہاں جا کر خط اور اس کی گواہی دیں، تو مکتوب الیہ قاضی کے لیے بھی چاند کے ثبوت کا حکم دینا جائز ہوگا۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

ثم رجع فقال اذا شهدوا أنه خاتمه وكتابه، قبله وان لم يعرف ما فيه، وهو قول ابن أبى ليلى رحمه الله؛ لأن كتاب القاضى الى القاضى قد يشتمل على شىء لا يعجبهما أن يقف عليه غيرهما؛ ولهذا يختم الكتاب ومعنى الاحتياط يحصل اذا شهدوا أنه كتابه وخاتمه ٠ (ج:١٦،ص:٩٥)

[پھر امام ابو یوسف نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ جب کسی قاضی کے پاس دوسرے قاضی کا خط آئے اور خط لانے والے گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی

کا ہے جس پر مہر انہی کی ہے اگر چہ وہ نہ جانتے ہوں کہ خط میں مضمون کیا ہے؟ پھر بھی یہ قاضی اسے قبول کرلے۔ یہی بات امام ابن لیلی نے بھی کہی ہے؛ کیوں کہ کتاب القاضی الی القاضی میں کبھی ایسی بات ہوتی ہے جسے وہ لوگ پسند نہیں کرتے کہ ان کے علاوہ کوئی جانے۔ اسی لیے خط پر مہر لگائی جاتی ہے۔تو احتیاط کا مقصود گواہوں کی اس گواہی سے حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے جس پر انھوں نے مہر کی ہے۔]

ہدایہ میں ہے:

(كتب بالشهادة) ليحكم المكتوب اليه بها وهذا هو الكتاب الحكمي وهو نقل الشهادة في الحقيقة ... قال (ولا يقبل الكتاب الا بشهادة رجلين، أو رجل وامرأتين)؛ لأن الكتاب يشبه الكتاب فلا يثبت الا بحجة تامة ... قال: (ويجب أن يقرأ الكتاب عليهم ليعرفوا ما فيه أو ليعلمهم به) ... (ثم يختمه بحضرتهم ويسلمه اليهم) ... وقال أبو يوسف رحمه الله آخراً: شيء من ذلك ليس

بشرط والشرط أن يشهدهم أن هذا كتابه وختمه. وعن أبي يوسف أن الختم ليس بشرط أيضاً فسهل في ذلک لما ابتلي بالقضا وليس الخبر كالمعاينة، واختار شمس الأئمة السرخسي رحمه الله قول أبي يوسف رحمه الله • (ج:۳،ص:۱۳۸/۱۴۰)

[قاضی گواہوں کی گواہی لکھ دے تا کہ مکتوب الیہ قاضی اس گواہی پر فیصلہ کرے، اس کو کتاب حکمی کہتے ہیں، جو در حقیقت نقل شہادت ہے۔ اور اس کتاب پر دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے؛ کیوں کہ کتاب، کتاب کے مشابہ ہوتی ہے تو جب تک اس پر حجت تامہ نہ ہو ثابت نہیں ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ گواہوں کو پڑھ کر سنا دے، یا بتا دے تا کہ وہ جان لیں کہ اس میں کیا لکھا ہے، اور ان کے سامنے مہر کر کے ان کو سپرد کر دے۔ امام ابو یوسف نے اپنے دوسرے قول میں فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ بھی شرط نہیں، شرط صرف یہ ہے کہ گواہوں کو اپنے خط اور مہر پر گواہ بنا دے۔ امام ابو یوسف ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ مہر بھی شرط نہیں ہے۔

آپ نے یہ تسہیل اس وقت فرمائی جب قضا کے کام انجام دینے لگے۔ ع: شنیدہ کے بود مانند دیدہ! شمس الائمہ سرخسی نے امام ابو یوسف کو قول کو اختیار فرمایا ہے۔]

''در مختار'' میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی ... بحکمه وقرأ الکتاب علیهم أو أعلمهم بما فیه وختم عندهم ... وسلم الکتاب الیهم بعد کتابة عنوانه ... وهو أن یکتب فیه اسمه واسم الکمتوب الیه وشهرتهما ... واکتفی الثانی بأن یشدهم أنه کتابه، وعلیه الفتو ی کما فی العزمیة عن الکفایة. وفی الملتقی: ولیس الخبر کالعیان • ملتقطاً

[ایک قاضی دوسرے قاضی کو اپنا فیصلہ لکھ دے اور گواہوں کو پڑھ کر سنا دے، یا انہیں بتا دے اور ان کے سامنے مہر کر کے، اپنا اور جس قاضی کے نام ہے، ان کا نام و پتہ لکھ کر ان کو دے دے۔ امام ابو یوسف نے اسی پر اکتفا کیا ہے کہ دو شخصوں کو اپنے خط کا گواہ بنا دے اور اسی قول پر فتوی ہے۔ جیسا کہ ''عزمیہ'' میں ''کفایہ'' کے حوالہ سے ہے۔

اور ''ملتقی'' میں ہے کہ خبر مشاہدے کی مانند نہیں ہوتی ۔]

ردالمحتار میں ہے:

وأبو يوسف لم يشترط شيئاً من ذلك سوى شهادتهم أنه كتابه لما ابتلى بالقضا واختار السرخسي قوله، وليس الخبر كالعيان. اھ

أى: أن أبا يوسف باشر القضاء مدة مديدة فاختار ذلك لما عاين المشقة في الشروط المارة، فلذا اختار السرخسي قوله. وظاهره أن الختم ليس بشرط عنده، وظاهر الفتح أنه رواية عنه، قال: ولا شك عندى فى صحته؛ فان الفرض عدالة حملة الكتاب فلا يضر عدم ختمه مع شهادتهم أنه كتابه ٠

[مکتبہ نعمانیہ، ج:۴،ص:۳۵۲]

[امام ابو یوسف جب قضا کے کام انجام دینے لگے تو آپ نے اس کے علاوہ کوئی شرط نہیں رکھی کہ خط لانے والے اس بات کی گواہی دے دیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔ اور امام سرخسی نے انہی کے قول کو اختیار کیا۔ ''ملتقی'' کے قول: ''خبر مشاہدے کی طرح نہیں ہوتی'' کا مطلب

یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے مدتوں قضا کا کام انجام دینے کے بعد مذکورہ بالا شرطوں میں مشقت محسوس کی تو انھوں نے یہ موقف اپنایا۔ اسی وجہ سے امام سرخسی نے آپ کے اس قول کو اختیار فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مہر بھی ضروری نہیں ہے، اور فتح القدیر کی عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ امام ابو یوسف ہی کی ایک روایت ہے۔ فرمایا ہے: میرے نزدیک اس کی صحت میں کوئی شک نہیں؛ کیوں کہ فرض تو یہ کیا گیا ہے کہ خط لانے والے قابل اعتماد ہیں جو گواہی دے رہے ہیں کہ یہ قاضی کا خط ہے، تو مہر نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔]

بلکہ امام ابو یوسف کی ایک اور روایت کے مطابق گواہوں کو خط دے دینا کافی ہے اس پر گواہ بنانا اور مہر کرنا بھی ضروری نہیں۔

ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے:

فعند أبي يوسف لم يشترط؛ لأن الاشهاد على أنه كتابه و ختمه ليس شيئا من المذكورات ٠ (ج:٣،ص:٤٢٦)

[امام ابو یوسف کے نزدیک خط اور مہر پر گواہ بنانا شرط نہیں ہے۔]

اسی میں ہے:

روایة عنه نفیا لاشتراط أصل الختم فضلا عن الاشهاد علیه تسهیلا فی ذلک لما ابتلی بالقضاء۔ (ج:٣،ص:٤٢٦)

[امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ گواہ بنانا تو غیر ضروری ہے ہی، سہولت کی خاطر خط پر مہر بھی ضروری نہیں۔ یہ روایت ان دنوں کی ہے جب آپ قضا کے امور انجام دینے لگے۔]

ہندیہ میں ہے:

قال أبو یوسف رحمه الله آخراً: شیء من ذلک لیس بشرط والشرط أن یشهدهم أن هذا کتابه وختمه، وعنه أن الختم لیس بشرط أیضاً، فسهل فی ذلک حین ابتلی بالقضاء لیس الخبر کالمعاینة واختار شمس الأئمة السرخسی قول أبی یوسف، کذا فی الکافی۔ (ج:٣،ص:١٨٣ مکتبہ زکریا)

[امام ابو یوسف نے بعد میں یہ فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ بھی شرط نہیں، شرط صرف یہ ہے کہ گواہوں کو اپنے خط

اور مہر پر گواہ بنا دے۔ امام ابو یوسف ہی سے منقول ہے
کہ مہر بھی ضروری نہیں، یہ آسانی آپ نے اس وقت کی
جب قضا کے کام انجام دینے لگے کہ شنیدہ کے بود مانند
دیدہ۔ شمس الائمہ سرخسی نے امام ابو یوسف ہی کے قول کو
مختار قرار دیا ہے۔ جیسا کہ کافی میں ہے۔]

بلکہ امام خصاف☆ کے بیان کے مطابق گواہوں کا ہونا بھی ضروری نہیں۔

اسی میں ہے:

ذکر الخصاف: وعمل القضاة اليوم أنهم يسلمون المكتوب الى المدعى ٠ وهو اختيار الفتوى على قول شمس الأيمة ٠

(ہندیہ، ج:۳، ص:۳۸۴)

[علامہ خصاف نے بیان فرمایا ہے کہ آج کل قاضیوں کا عمل اس پر ہے کہ خط مدعی کو دے دیتے ہیں۔ شمس الائمہ کے بقول فتوی کے لیے قول مختار یہی ہے۔]

اور بہت سے دوسرے حضرات سے بھی یہی مروی ہے۔

☆ فتاوی قاضی خان، ج:۱، ص:۱۹۷، مکتبہ'' الاتحاد'' میں ہے: قال شمس الائمة السرخسی رحمه الله تعالى: وإنَّ خصافاً كان كبيراً في العلم يجوز الاقتداء به

شرح الاشباہ للحموی، ج:۲،ص:۱۷۳مکتبہ زکریا میں ہے:

وأسند الی الشعبی والحسن أنهما كانا يعملان بالكتاب اذا جاء هما بغير بينة ٠

[امام شعبی اور حسن کی جانب منسوب ہے کہ وہ حضرات خطوط پر گواہی کے بغیر بھی عمل فرمالیتے تھے۔]

عنایہ مع فتح القدیر میں ہے:

كان الشعبی يقول بجواز كتاب القاضي الى القاضي بغير بينة ٠ (ج:٦،ص:٣٨٦)

[امام شعبی کتاب القاضی الی القاضی کو بغیر گواہی کے جائز قرار دیتے تھے۔]

فتح القدیر میں ہے:

ولم يشترط الشعبى الشهادة عليه وكذا الحسن ... وبه قال أبو ثور والأصطخري من الشافعية وأبو يوسف فى رواية، فالشرط عندهم أن يكون المكتوب اليه يعرف خط القاضى الكاتب وختمه. ملخصاً ٠ (ج:٦،ص:٣٨٦)

[امام شعبی نے کتاب القاضی الی القاضی پر شہادت کو ضروری قرار نہیں دیا ہے، یوں ہی حسن نے بھی۔ ابوثور

اور اصطخری شافعی نے بھی یہی فرمایا ہے، اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک بس یہ ضروری ہے کہ جس قاضی کو خط لکھا گیا ہے وہ لکھنے والے قاضی کی تحریر اور مہر کو پہچانتے ہوں۔]

بلکہ اگر مکتوب الیہ قاضی کا نام و پتہ لکھنے کے بعد یہ بھی لکھ دے کہ ''اور جو جو مسلمان قاضی میرا یہ مکتوب دیکھیں وہ اپنے کو مکتوب الیہ سمجھیں'' تو بالاتفاق ایسے سارے قاضیوں کے لیے اس کے مطابق عمل کرنا روا ہوگا۔ اور کسی بھی قاضی کو متعین کیے بغیر ابتدا سے ہی یوں لکھے کہ ''میرا یہ مکتوب جس جس قاضی کو ملے، سب اپنے کو مکتوب الیہ سمجھیں تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک تو نہیں، مگر امام ابو یوسف کے نزدیک اب بھی ایسے سب قاضیوں کو اس کے مطابق عمل کرنا روا ہوگا۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

لو وصل اليه وقرأه، ثم مات قبل أن يقضى به لم يعمل به من بعده بمنزلة ما لو شهد الشهود في مجلسه فمات قبل أن ينفذه الا أن يكون الكتاب الى كل من يصل اليه من حكام المسلمين فقد جوز ذلک مع جهالة المكتوب اليه لحاجة الناس الى ذلک

استحساناً. (ج:١٦،ص:٩٥)

[مرسل الیہ قاضی کے پاس خط پہنچنے کے بعد اس پر فیصلہ ہونے سے پہلے مرسل الیہ قاضی وفات پاجائے تو مرسل الیہ کا نائب اس پرعمل نہیں کرے گا، جیسا کہ قاضی کی مجلس میں گواہوں کی گواہی گزرنے کے بعد فیصلہ صادر کرنے سے پہلے قاضی کی موت ہوجائے تو اس پرعمل نہیں کیا جائے گا۔ ہاں! مرسل نے یہ لکھا ہو کہ میرا یہ خط ان تمام مسلمان قاضیوں کے نام ہے جن کو بھی یہ پہنچے، تو مکتوب الیہ کے نام کی صراحت نہ ہونے کے باوجود لوگوں کی حاجتوں کا خیال کرتے ہوئے استحساناً اسے جائز قرار دیا ہے۔]

فتح القدیر میں ہے:

یجوز أن یکون الی ایاس القاضی بالبصرة والی کل قاض یراہ من قضاة المسلمین فانه اذا کتب کذلک کان لکل قاض رفع الیه أن یعمل به بلا خلاف. بخلاف ما لو کتب من الأول الی من یبلغه کتابی هذا من قضاة المسلمین؛ فانه لا یجوز العمل به لأحد من

القضاة. وأجازه أبو يوسف أيضاً، قال في الخلاصة: وعليه عمل الناس اليوم•

(ج:٦،ص:٣٨٦)

[کوئی قاضی یہ لکھے کہ مثلاً ''بصرہ کے قاضی ایاس کے نام، اور مسلمانوں کے ہر اس قاضی کے نام جو میرے اس مکتوب کو ملاحظہ کرے''، تو جو جو قاضی اسے ملاحظہ کریں گے، ان کے لیے اس مکتوب کے مطابق عمل کرنا بالاتفاق روا ہوگا ــــــــــ اس کے برخلاف اگر ابتداءً ہی یہ لکھ دے کہ ''میرا یہ مکتوب جس مسلمان قاضی تک پہنچے'' تو اس مکتوب کے مطابق کسی بھی قاضی کو عمل کرنا روا نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف نے اس صورت میں بھی عمل کی اجازت دی ہے۔ صاحب خلاصہ نے فرمایا ہے کہ اب اسی قول پر لوگوں کا عمل ہے۔]

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

ولو كتب من فلان بن فلان قاضي بلد كذا الى كل من يصل اليه كتاب هذا من قضاة المسلمين وحكامهم فذلك لا يجوز في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وفي قول أبي يوسف وزفر

رحمهما الله تعالى يجوز. والظاهر أن محمدا مع أبي حنيفة رحمه الله تعالى، و أبو يوسف توسع حين ابتلى بالقضاء ورأى أحوال الناس واستحسن في كثير من المسائل تسهيلا للأمر على الناس من جملتها هذه المسئلة كذا فى المحيط وعليه عمل الناس اليوم. كذا فى الخلاصة ٠ (ج:۳،ص:۱۸۳، مکتبہ زکریا)

[اگر یہ لکھے کہ ”فلاں شہر کے قاضی فلاں بن فلاں کی طرف سے ہراس مسلمان قاضی و حاکم کے نام جس کو یہ خط ملے“ تو امام اعظم کے نزدیک درست نہیں۔ امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک درست ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ امام محمد امام اعظم ہی کے ساتھ ہوں گے۔ امام ابو یوسف نے چھوٹ اس وقت دی جب قضا کے کام انجام دینے لگے اور لوگوں کے حالات ملاحظہ فرمائے۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل میں انہوں نے لوگوں کی آسانی کی خاطر سہل طریقہ اپنایا ہے، جیسا کہ محیط میں ہے۔ اور اِن دِنوں عمل درآمد بھی اسی پر ہے۔ جیسا کہ فتاوی خلاصہ میں ہے۔]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

عنده: لو كتب القاضي كتابي هذا الى كل من يصل اليه من قضاة المسلمين وحكا مهم يجوز ۰ (ج:۲،ص:۳۶۸، مکتبہ الاتحاد)

[قاضی یوں لکھے کہ میرا یہ خط ہر اس مسلمان قاضی اور حاکم کے نام ہے جسے یہ پہنچے، تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر عمل جائز ہے۔]

پس جن ممالک اور بلاد وامصار میں دینی حاجت درپیش ہو، وہاں، اولِ قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس تجرباتی ارشاد، جس کی تائید امام زفر نے بھی فرمائی ہے، اور جسے شمس الائمہ سرخسی نے مختار قرار دیا ہے، اور جس پر متاخرین قضاۃ کا عمل درآمد رہا ہے، اس کے مطابق معروف قاضی کے لیٹر پیڈ پر، ان کی اور دار القضا کی مہر کے ساتھ معلوم نمبر سے ''فیکس'' کے ذریعہ آئے خط کو ایک قاضی سے دوسرے قاضیوں تک اپنی بات پہنچانے کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔☆

☆ جس وقت یہ فتوی لکھا گیا تھا، اس وقت قابل اطمینان ذریعہ صرف فیکس تھا۔ اب جب کہ دوسرے ذرائع مثلاً واٹس ایپ، ٹیلی گرام اور میسنجر وغیرہ موجود ہو چکے ہیں، تو ان ہی شرائط کی رعایت سے ان ذرائع سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔

اعتراض

اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ کتاب القاضی الی القاضی کو قیاس کے بر خلاف بشرائط استحسانًا حجت مانا گیا ہے، اس لیے اس پر فیکس کا قیاس درست نہیں ہوگا۔

جواب

یہ اعتراض اس لیے نہیں ہوسکتا کہ کتاب القاضی الی القاضی کا حجت ہونا تو قیاس کے بر خلاف ضرور ہے۔ مگر اس کے شرائط یعنی خط کا مُعَنْوَن ہونا، اس پر قاضی کی مہر ہونا، اور دو گواہوں کا ہونا وغیر ذلک خلاف قیاس نہیں ہیں، ورنہ خود امام اعظم اور امام ابو یوسف کے مابین اختلاف نہ ہوتا، پھر مفتی بہ بھی امام ابو یوسف کا قول تو ہرگز نہ ہوتا۔ مزید برآں امام ابو یوسف خود اپنے اُس قول سے عدول فرما کر دوسرا قول نہیں کرتے، اور شمس الائمہ وغیرہ اسے اختیار نہیں فرماتے۔ اس لیے ہم بھی ضرورت وحاجت کی بنا پر فیکس کو خط رسانی کا ذریعہ قرار دے کر خلاف قیاس پر قیاس کرنے کی بات نہیں کہتے ہیں، بلکہ شرائط ہی میں امام ابو یوسف کے قول سے ملحق کرنے کی بات کہتے ہیں۔



(۵)

استفاضۂ خبر: جس جگہ چاند کا ثبوت شرعی ہوا، وہاں کے بہت سے لوگ ثبوت شرعی کی خبر دیں اور ان کی خبر پر دوسری جگہ کے قاضی کو یقین شرعی یعنی ظن غالب ہو جائے تو وہ اپنے ہاں بھی اس پر عمل کریں گے۔

''درمختار'' میں ہے:

لو استفاض الخبر فی البلدة الأخری لزمهم علی الصحیح من المذهب. مجتبی.

[جب ثبوت شرعی والے شہر کی خبر دوسرے شہر میں مستفیض ہو جائے تو مذہب صحیح کی بنا پر یہاں والوں پر بھی عمل لازم ہوگا۔]

ردالمحتار، ج:۲، ص۹۴ میں ہے:

فی الذخیرة قال شمس الأئمة الحلوانی: الصحیح من مذهب أصحابنا أن الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین أهل البلدة الأخری یلزمهم حکم هذه البلدة. اهـ

ومثله فی الشرنبلالیة عن المغنی. قلت: وجه الاستدراک أن هذه الاستفاضة لیس فیها شهادة علی قضاء قاضٍ ولا علی شهادة، لکن

لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها؛ لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلا بد من أن يكون صومهم مبنياً على حكم حاكمهم الشرعى، فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهي أقوى من الشهادة بأن تلك أهل البلدة رأوا الهلال وصاموا لأنها لا تفيد اليقين فلذا لم تقبل الا اذا كانت على الحكم أو على شهادة غيرهم لتكون الشهادة معتبرة والا فهى مجرد اخبار بخلاف الاستفاضة؛ فانها تفيداليقين فلا ينافى ما قبله، هذا ما ظهر لى تأمل.

تنبيه: قال الرحمتى معنى الاستفاضه أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن روية لا مجرد الشيوع من غير علم لمن أشاعه كما قد تشيع أخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة و لا يعلم من أشاعها كما ورد: أن

في آخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة فيتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون: لا ندري من قالها فمثل هذا لا ينبغي أن يسمع فضلاً من أن يثبت به حكم اهـ: قلت وهو كلام حسن ويشير اليه قول الذخيرة: اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا يوجد بمجرد الشيوع.

[ذخیرہ میں ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے: ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہ ہے کہ شہر میں ثبوت شرعی ہو جائے اور وہاں کی خبر دوسرے شہر میں مستفیض و متحقق ہو تو اس دوسرے شہر والوں پر بھی وہ حکم لازم ہوگا۔ بحوالۂ مغنی شرنبلالیہ میں بھی یہی ہے۔ میں کہوں گا کہ استدراک کی وجہ یہ ہے کہ اس استفاضہ میں نہ تو قضائے قاضی پر شہادت ہوتی ہے نہ ہی شہادت پر شہادت، لیکن جب یہ استفاضہ خبر متواتر کی طرح ہے اور اس کے ذریعہ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ فلاں شہر والوں نے فلاں دن روزے رکھے ہیں، تو اس کے سبب عمل لازم ہو جائے گا؛ کیوں کہ کوئی بھی شہر عادتاً قاضی سے خالی نہیں ہوتا، تو لامحالہ وہاں کے

لوگوں نے قاضی ہی کے حکم پر روزہ رکھا ہوگا۔

پس یہ استفاضہ اسی حکم کی نقل ہے، جو اس بات کی شہادت سے قوی تر ہے کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے اور روزہ رکھا ہے، جس سے یقین نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ مقبول نہیں۔ ہاں! جب قضاے قاضی، یا شہادت پر شہادت ہو تو معتبر ہے ورنہ وہ خبر محض ہے۔ بخلاف استفاضہ کے؛ کیوں کہ یہ یقین فقہی کا فائدہ دیتا ہے، پس یہ ماقبل کی تحریر کا منافی نہیں۔ میں نے یہی سمجھا ہے۔

تنبیہ: علامہ رحمتی نے فرمایا استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شہر سے متعدد جماعتیں آ کر خبر دیں کہ اُس شہر میں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا۔ نہ یہ کہ محض شہرت ہو جائے اور علم نہ ہو سکے کہ کس نے یہ خبر پھیلائی ہے، جیسا کہ بہت سی خبریں اس طرح مشہور ہو جاتی ہیں کہ سب کی زبان پر اس کا تذکرہ ہوتا ہے، مگر یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ کس نے پھیلائی۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آخر زمانے میں شیطان لوگوں میں بیٹھ کر کوئی بات کہہ جائے گا، جو سب کی زبان پر ہوگی۔ مگر پوچھنے پر سب یہی کہیں گے کہ پتہ نہیں کس نے یہ بات کہی؟ اس طرح کی خبریں

سماعت ہی کے قابل نہیں چہ جائے کہ اس سے کوئی حکم ثابت ہو۔ میں کہوں گا کہ یہ ایک عمدہ بات ہے جس کی جانب ذخیرہ کے اس قول سے اشارہ ہو رہا ہے کہ ''خبر جب مستفیض ومتحقق ہو جائے''؛ کیوں کہ شہرت محضہ سے تحقق نہیں ہو جاتا۔]

منحۃ الخالق میں ہے:

اعلم أن المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى بلدة التي لم يثبت بها لا مجرد الاستفاضة؛ لأنها قد تكون مبينة على اخبار رجل واحد مثلاً فيشيع الخبر عنه، ولا شك أن هذا لا يكفي بدليل قولهم: اذا استفاض الخبر وتحقق؛ فان التحقق لا يكون الا بما ذكرنا.

(ج:۲،ص:۴۷۲)

[استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ ثبوت ہو گیا ہے، وہاں سے آنے والے اِس شہر میں متواتر طور پر خبر لے کر آئیں۔ محض استفاضہ کافی نہیں؛ کیوں کہ اس کی بنیاد کبھی ایک ہی آدمی کی خبر پر ہوتی ہے اور اس سے بات مشتہر ہو

جاتی ہے، جو یقیناً کافی نہیں؛ کیوں کہ فقہا نے استفاض وتحقق کہا ہے، اور تحقق ہماری ذکر کردہ باتوں ہی سے ہوتا ہے۔]

مگر شریعت کے مزاج سے واقف کار، فقہی مسائل کی بصیرت رکھنے والے سے یہ بات مخفی نہیں کہ جس طرح بڑی جماعت کے افراد کی تحدید، قاضی کی صواب دید پر رکھی گئی ہے، اسی طرح یہاں خبر مستفیض کے افراد کی تحدید بھی قاضی کی صواب دید پر ہوگی۔



نوٹ

یہ فتوی آج سے تیتالیس سال پہلے کا ہے جب خبر رسانی کے جدید ذرائع معرض وجود میں نہیں آئے تھے۔ آج ان ذرائع کی موجودگی میں تفصیلی فتوی آخیر میں ضمیمہ کے عنوان سے ملاحظہ کیجئے۔

(۶)

قاضی کا اعلان: قاضی رویت کا شرعی ثبوت پا کر رویت کا فیصلہ کر دے اور عام اعلانات اور دوسری خبروں سے امتیاز کے ساتھ مسلمان منادی کے ذریعہ اس کا اعلان عام کرائے تو اس اعلان پر قاضی کی حدود ولایت کے رہنے والوں کے لیے روزہ وعید لازم ہوں گے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

خبر منادي السلطان مقبول عدلا كان أوفاسقاً،
كذا في جواهر الاخلاطي • (ج:۵،ص:۳۰۹،
کتاب الکراہیۃ، مکتبہ زکریا)

[منادیِ سلطان کی خبر مقبول ہے، چاہے منادی عادل ہو، یا فاسق، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے۔]

اور یہ اعلان کسی بھی ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔ جب کہ عادتاً اس میں خلاف کا احتمال نہ ہو، دوسرے لفظوں میں اس اعلان کی صحت کا ظن غالب ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

قلت: والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن موجبة للعمل كما صرحوا به،

واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد، اذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك الا لثبوت رمضان. (ج:٢،ص:٩١،مكتبہ نعمانیہ)

[ظاہر یہ ہے کہ شہر سے قندیلوں کے دیکھنے اور توپ کی آواز سننے سے گاؤں والوں پر عمل لازم ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ ظاہری علامتیں ہیں جن سے ظن غالب حاصل ہوتا ہے، اور غلبۂ ظن موجب عمل ہے، جیسا کہ فقہا نے صراحت کی ہے۔ اور غیر رمضان کے لیے ان چیزوں کے ہونے کا احتمال بعید ہے؛ کیوں کہ عادتاً ۲۹ تاریخ کو ایسا صرف ثبوت رمضان ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔]

منحۃ الخالق میں ہے:

تتمة: لم يذكروا عندنا العمل بالأمارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر كضرب المدافع فی زماننا، والظاهر وجوب العمل بها على من سمعها ممن كان غائباً عن المصر كأهل القرى ونحوها كما يجب العمل بها على أهل المصر الذين لم يروا الحاكم قبل شهادة الشهود، وقد ذكر هذا الفرع

الشافعية فصرح ابن حجر في التحفة أنه يثبت بالأمارات الظاهرة الدالة التي لا تتخلف عادةً كرؤية القناديل المعلقة بالمنابر. قال: ومخالفة جمع في ذلك غير صحيحة. (ج:۲،ص:۴۷۲، مکتبہ زکریا)

[تتمہ: ہم احناف کے ہاں وہ ظاہری علامتیں جو نئے مہینے کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، جیسے ہمارے زمانے میں نقاروں کی آوازیں، ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ جو لوگ شہر سے غائب ہوں، جیسے دیہات وغیرہ کے رہنے والے، اسے سن کر اُن لوگوں پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ جس طرح شہر کے اُن لوگوں پر واجب ہے، جنھوں نے گواہوں کی گواہی سے پہلے قاضی کو نہ دیکھا ہو۔ یہ فرع شافعی حضرات نے بیان کی ہے، چنانچہ ابن حجر نے ''تحفہ'' میں صراحت کی ہے کہ وہ علامتیں جو عادتاً خلاف نہیں ہوتیں، جیسے میناروں پر لگی ہوئی قندیلوں کا روشن نظر آنا۔ فرمایا: اور ایک جماعت کی طرف سے اس کی مخالفت صحیح نہیں۔]

البتہ! یہ حکم قاضی کی حدودِ ولایت میں رہنے والوں کے لیے ہی ہوگا، حدود

ولایت سے باہر والوں کے لیے نہیں؛ کیوں کہ حدود ولایت سے باہر اس کی حیثیت قاضی کی نہیں، عامی شخص کی ہوتی ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

اخبار القاضی لا یثبت حجة فی غیر محل ولایته. (ج:٦،ص:٣٨١، مکتبہ نوریہ، پاکستان)

[قاضی کی خبر اس کے محل ولایت سے باہر حجت نہیں۔]

ہاں! کسی قاضی کی ولایت پورے صوبے، یا پورے ملک پر ہو تو اس کے منادی کا اعلان سن کر پورے صوبے، یا پورے ملک کے لوگوں پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوگا۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

السلطان اذا قال: جعلتک قاضیاً ولم یذکر فی أيّ بلدة ... المختار أنه یصیر قاضیاً لجمیع بلاد السلطان. کذا فی الخلاصة، وهو الأظهر والأشبه. (ج:٣،ص:٣١٥)

[سلطان اسلام کسی سے کہے کہ میں نے تجھے قاضی مقرر کیا...تو قول مختار یہ ہے کہ وہ پوری مملکت کا قاضی ہو جائے گا، جیسا کہ "خلاصہ" میں ہے۔ اور یہی اظہر واشبہ ہے۔]

بدایۃ المجتہد، ج:٢،ص:٥٠، میں ہے:

روى المدنيّون عن مالک أن الرؤية لا تلزم بالخبر عند غير أهل البلد الذى وقعت فيه الرؤية، الا أن يكون الامام يحمل الناس على ذلک، وبه قال ابن الماجشون والمغيرة من أصحاب مالک.

[مدنی حضرات نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ایک جگہ کی رویت کی خبر سے دوسری جگہ رویت نہیں مانی جائے گی۔ ہاں سلطان اسلام فیصلہ کردیں تو مان لی جائے گی۔ یہی بات امام مالک کے اصحاب، ماجشون اور مغیرہ نے بھی کہی ہے۔]

فتح الباری لابن حجر میں ہے:

قال القرطبي قد قال شيوخنا اذا كانت رؤية الهلال ظاهرة قاطعة بموضع ثم نقل الى غيرهم بشهادة اثنين لزمهم الصوم وقال ابن الماجشون لا يلزمه بشهادة الا لأهل البلد الذى ثبتت فيه الشهادة الا أن يثبت عند الامام الأعظم فيلزم الناس كلهم؛ لأن البلاد فى حقه كالبلد الواحد؛ اذ حكمه نافذ فى الجميع. (ج:۴، ص:۱۲۳)

[قرطبی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب کا فرمان ہے کہ کسی جگہ کُھلی رویت ہوئی اور دو آدمیوں کی شہادت سے دوسری جگہ نقل کی گئی، تو وہاں والوں پر بھی روزہ لازم ہے۔ ابن ماجشون نے کہا ہے کہ شہادت کی بنا پر دوسری جگہ والوں پر روزہ لازم نہیں ہوگا۔ ہاں! سلطان اسلام کے پاس ثابت ہو جائے تو سارے لوگوں پر لازم ہو جائے گا؛ کیوں کہ سلطان اسلام کے حق میں سارے بلاد، بلد واحد کی طرح ہیں؛ کیوں کہ ان کا حکم سب پر نافذ ہوتا ہے۔]

الکافی فی فقہ اہل المدینہ میں ہے:

قال فی الشهادة لا يلزم ذلك الا أهل البلد الذين ثبتت عندهم الشهادة بحكم حاكمهم بذلك عليهم الا أن تكون الشهادة ثبتت عند الامام الأعظم فيلزم الناس كلهم الصيام. هذا تحصيل المذهب عند المالكيين البغداديين. (ج:١،ص:٣٣٥)

[شہادت کے تعلق سے فرمایا کہ اس سے صرف اس شہر والوں پر روزہ وعید لازم ہوں گے جن کے یہاں کے حاکم کے پاس شہادت گزری اور حاکم نے اس کے

مطابق حکم صادر کردیا۔ ہاں! سب سے بڑے امام (سلطان اسلام) کے نزدیک شہادت کا ثبوت ہو جائے تو پھر سارے لوگوں کے لیے لازم ہوں گے۔ یہ بغدادی مالکی حضرات کے مذہب کا خلاصہ ہے۔]

امام احمد رضا نے رویت ہلال کے مسئلہ میں ''حدیقہ ندیہ'' کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کر کے استدلال کیا ہے اور اپنے ہی قلم سے ترجمہ فرمایا ہے:

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور مؤکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم ویصیرون ولاة، فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کلُ قطر باتباع علمائه، فان کثروا فالمتبع اعلمهم، فان استووا اقرع بینهم.

[جب زمانہ ایسے سلطان سے خالی ہو جو معاملات شرعیہ میں کفایت کر سکے، تو شرعی سب کام علما کے سپرد ہوں گے اور مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اپنے ہر معاملہ میں اُن کی طرف رجوع کریں، وہ علما ہی قاضی و حاکم سمجھے جائیں گے۔ پھر اگر سب مسلمانوں کا ایک عالم پر اتفاق مشکل ہو، (تو) ہر ضلع کے لوگ اپنے علما کا اتباع کریں۔

اگر ضلع میں عالم کثیر ہوں تو جو سب میں زیادہ احکام
شریعت کا علم رکھتا ہے اُس کی پیروی ہوگی۔ اور اگر علم میں
برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈالیں] (ج:۱۰، ص:۴۰۹)

اس عبارت میں لفظ ''قطر'' جس کا ترجمہ امام احمد رضا نے ''ضلع'' کے لفظ سے فرمایا ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کسی ایک عالم پر اتفاق نہ ہو۔ اگر کسی ایک عالم پر اتفاق ہو جائے، تو ''قطر'' یعنی ''ضلع'' سے باہر جہاں تک کے لیے اتفاق ہو، وہاں تک کا قاضی ہو جائے گا اور ان کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جب رتچھا، بہیڑی وغیرہ میں رویت عامہ نہیں ہوتی تھی تو لوگ بریلی شریف آجاتے تھے، یہاں سے ثبوت کا فیصلہ ہو جاتا، تو حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا۔ اپنا اعلان لکھوا کر دے دیتے اور وہ لوگ اسی اعلان پر روزہ وعید کرتے ۔ جیسا کہ بریلی شریف کے ایک سیمینار میں حضرت مولانا محمد حنیف خاں صاحب مدظلہ نے بتایا تھا اور دار الافتا کے اس وقت کے مفتی حضرت قاضی عبدالرحیم بستوی علیہ الرحمہ نے تصدیق کی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ حضرت نے یہ اعلان مجھ سے بھی متعدد بار لکھوایا تھا۔

مگر واضح رہے کہ یہ اعلان ایسے قابل وثوق ذرائع سے سننے میں آئے جس میں عادتاً جعل وتزویر کا احتمال نہ ہو، بلفظ دیگر اس اعلان کے اعلانِ قاضی ہونے کا ظن غالب ہو۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔



یہ صورتیں نہ ہوں تو اکمال مدت یعنی تیس کی گنتی پوری کرنا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الشهر تسع وعشرون ليلة، فلا تصوموا حتى تروه، فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين.

(بخاری شریف حدیث نمبر ۱۹۰۷)

[مہینہ کبھی انتیس راتوں کا بھی ہوتا ہے اس لیے چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو! جب انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرلو!]

شریعت مطہرہ چاہتی ہے کہ ہم کم از کم ذیل کے مہینوں کا چاند دیکھنے کی کوشش ضرور کریں!

(۱) رجب (۲) شعبان (۳) رمضان

(۴) شوال (۵) ذیقعدہ (۶) ذی الحجہ۔

اُس کے اس اقتضا پر عمل پیرا ہونے کے بعد اکمال مدت میں کوئی شبہہ ہی نہیں رہ جاتا، خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ پوری دنیا سے آمد و رفت کے ذرائع وسیع ہو گئے ہیں۔ شعبان کے پورے مہینے میں کہیں نہ کہیں سے شہادت ضرور مل سکتی ہے۔ رہی بات شہادت میں اختلاف کی! تو ظاہر ہے کہ جو شہادت پہلے دیکھے جانے سے متعلق ہوگی، اگر اس پر عمل پیرا ہونے میں کوئی مانع شرعی، یا حرج نہ ہو تو اسی کے مطابق عمل ہوگا؛ کیوں کہ بعد میں دیکھے جانے کی شہادت میں، ان گواہوں کی رویت کی شہادت ہوتی ہے، پہلے دیکھ لیے جانے والے گواہوں کی رویت کی نفی نہیں ہوتی ۔



ان اصولی باتوں کو ذہن میں رکھ کر اب مسائل مستفسرہ کا جواب لیجیے!

(الف)

ہوائی جہاز:

ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کی کوشش کرنا فی نفسہ کوئی امر مطلوب نہیں؛ کیوں کہ یہ طریقہ عام لوگوں کو میسر نہیں ہوسکتا اور شریعت میں وہی طریقہ محبوب و مستحسن ہے، جو عام لوگوں کو میسر ہو۔ تاہم دیکھ لیے جانے کی صورت میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته. (نسائی حدیث: ۲۱۱۸)

[چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو!]

کے مطابق روزہ و عید لازم ہوں گے۔ واللہ تعالی اعلم

(ب)

رصدگاہ کی پیشگی رپورٹ:

رصدگاہ کی پیشگی رپورٹ سے یہ تو معلوم ہوسکتا ہے کہ مہینے کی انتیسویں تاریخ کو مطلع صاف ہوتو چاند کی رویت کا واضح امکان ہے، یہ نہیں کہ رویت واقع ہو جائے گی۔ جب کہ شریعت نے روزہ وعید کا مدار رویت کے واضح امکان پر نہیں، اس کے وقوع پر رکھا ہے۔ ہاں! کبھی رویت کی شہادت میں شبہہ ہوتو اس کے ازالہ میں رصدگاہ کی پیشگی رپورٹ سے کام لیا جاسکتا ہے۔

فواتح الرحموت میں ہے:

فان القرائن قد تفيد القطع. (ج:۲،ص:۱۶۶)

[کیوں کہ کبھی قرائن بھی یقین کا افادہ کرتے ہیں۔]

اسی میں ہے:

وأنت لا يذهب عليك أن القرائن الخارجية ربما تفيد العلم عادة. (ص:۲۱۲)

[یہ بات مخفی نہیں کہ کبھی قرائن خارجیہ سے بھی عادتاً یقین ہوجاتا ہے۔]

(ج)

ٹیلی فون کی خبر:

شہادت کی قبولیت کے لیے شہادت دینے والے کا صرف لفظ ''أشھد'' کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ جسے شہادت دی جا رہی ہے، اس کا شہادت دینے والے کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ عادتاً جعل وتزویر کا احتمال نہ رہے۔ اور ٹیلی فون میں شہادت دینے والے دیکھے نہیں جاتے، صرف آواز سنی جاتی ہے۔ اور آواز کا حال یہ ہے کہ اس کی نقل اتاری جا سکتی ہے۔

ہدایہ وغیرہ عامہ اسفار میں ہے:

النغمة تشبه النغمة فلم يحصل العلم.

(ج:۳،ص:۱۵۸)

[آواز، آواز کے مشابہ ہوتی ہے، تو یقین حاصل نہیں ہوگا۔]

اسی لیے دنیا کے غیر اسلامی کورٹ کچہریوں میں بھی عام حالات میں ٹیلی فون سے سُنی ہوئی باتوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، تو پھر اسلامی عدالتوں میں اس سے سُنی ہوئی بات کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے؟

(د)

مقام رویت کا قرب وبعد:

احناف کے ہاں مذہب مفتی بہ پر چاند کے مسئلہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔

تنویرالابصار ودرمختار میں ہے:

(اختلاف المطالع غير معتبر على) ظاهر (المذهب) وعليه اكثر المشائخ و عليه الفتوى، بحر عن الخلاصة (فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب) اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق مؤجب.

[ظاہر مذہب میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی پر اکثر مشائخ ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق میں خلاصہ کے حوالہ سے ہے، پس طریق موجب سے ثابت ہو جانے پر اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر بھی روزہ وعید لازم ہوں گے۔]

ردالمحتار میں ہے:

هو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة.

(ج:۲،ص:۹۶، مکتبہ نعمانیہ)

[ہم احناف اور مالکی و حنبلی حضرات کے نزدیک یہی قول معتمد ہے۔]

جن حضرات نے سورج کے تعلق سے اختلاف مطالع کے اعتبار پر قیاس کرتے ہوئے چاند کے مسئلہ میں بھی اختلاف مطالع کے اعتبار کی بات کہی ہے، ان کا تفصیلی ردوابطال دیکھنا ہوتو فتاوی رضویہ، ج:۱۰، ص:۵۸۲ تا ۵۹۴ ملاحظہ فرمائیں! جس میں امام اہل سنت نے عرش تحقیق قائم فرمادیا ہے۔

اس لیے مقام رویت کے قرب و بعد کا اعتبار نہیں ہوگا، جہاں سے بھی طرق موجبہ کے ذریعہ ثبوت مل جائے گا، روزہ وعید لازم ہوں گے۔

(۵)

ریڈیو کے ذریعہ اعلان:

ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے منادی کا اعلان سُن کر اوپر مذکور شدہ شرائط کے ساتھ ان کی حدودِ ولایت میں رہنے والوں کے لیے عمل کی گنجائش ہے۔ ان کی حدود ولایت سے باہر رہنے والوں کے لیے نہیں۔

ایک خلجان اور اس کا ازالہ:

کسی کو یہ خلجان ہو کہ ہم ریڈیو سے یہ سن کر کہ ابھی مثلاً اتنا بجا ہے، سحری کھا لیتے ہیں، افطاری کر لیتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ اس سے رویت ہلال کی خبر سن کر روزے نہ رکھیں اور عید نہ کریں؟

تو ہم کہیں گے کہ مطلق وقت بتانا دنیاوی معاملہ ہے، دینی معاملہ نہیں۔ اور رمضان وعید کا چاند نکلنے کی خبر دینا دنیاوی معاملہ نہیں، دینی معاملہ ہے۔ اسلام نے دنیاوی معاملوں میں غیر مسلموں کی بات قبول کرنے کی اجازت دی ہے، دینی معاملوں میں نہیں۔

قرآن کا فرمان ہے:

ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا ۰ (نساء/۱۴۱)

[اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔]

غیر مسلم تو پھر غیر مسلم ہیں، جو مسلمان احکام اسلام کی کُھلی خلاف ورزی

کرتا ہو، اس کی بھی بات کو قبول کرنے میں تحقیق کی شرط لگادی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

یٰٓأیھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا۰ (حجرات/٦)

[اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو!]

ہاں! کسی دنیاوی معاملہ کے ضمن میں کوئی دینی معاملہ پالیا جائے تو ضمناً وہ بھی مقبول ہو جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا مشہور ضابطہ ہے۔

کم من شیء یثبت ضمناً ولا یثبت قصداً.

(شرح وقایہ ج:١،ص:٣١٠)

[بہت سے احکام جو قصداً ثابت نہیں ہوتے، ضمناً ثابت ہو جاتے ہیں۔]

مثلاً غیر مسلم ملازم نے بازار سے گوشت لا کر خبر دی کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس گوشت کا کھانا شرعاً حرام ہے؛ کیوں کہ ذبح کرنا ایک شرعی معاملہ ہے، جس میں غیر مسلم کی بات کا اعتبار نہیں۔ لیکن اگر وہ ملازم یہ خبر دے کہ گوشت فلاں مسلمان کی دکان سے خرید کر لایا ہوں، تو کھانا حلال و روا ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اس نے براہ راست خریدنے کی خبر دی ہے، جو ایک دنیاوی معاملہ ہے، جس میں اس کی بات کا اعتبار ہے۔ اب اس کے ضمن میں چوں کہ

ایک دینی بات بھی پائی جاتی ہے، کہ مسلمان کی دکان سے خریدا ہے تو مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے یہی سمجھا جائے گا کہ ذبیحہ بھی مسلمان ہی کا ہوگا، اس لیے اس کا کھانا روا ہوگا۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

ولا يقبل قول الكافر في الديانات الا اذا كان قبول قول الكافر في المعاملات يتضمن قبوله في الديانات، فحينئذ تدخل الديانات في ضمن المعاملات فيقبل قوله فيها ضرورة، هكذا في التبيين. من أرسل أجيرا له مجوسيا أو خادما فاشترى لحما فقال: اشتريته من ... مسلم وسعه أكله. (ج:۵ ص:۳۰۸، مکتبہ زکریا]

غیر مسلم کی بات دینی معاملوں میں قبول نہیں ہوگی۔ ہاں! دنیاوی معاملوں کے ضمن میں کوئی دینی بات ہو تو ضرورتاً مقبول ہوگی۔ تبیین الحقائق میں ایسا ہی ہے۔ لہذا کسی نے اپنے مجوسی مزدور، یا ملازم کو بھیجا اور اس نے گوشت خرید کر یہ بتایا کہ مسلمان سے خریدا ہے تو کھایا جاسکتا ہے۔

یہاں بھی صورتِ مبحوث عنہا میں اوقات کا تعین چوں کہ ایک دنیاوی معاملہ ہے جس کے ضمن میں ایک دینی خبر بھی ہے کہ مثلاً ۴ بج چکے تو سحری ختم ہو

جانے اور افطار کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لیے ریڈیو وغیرہ کی خبروں کا اعتبار کیا جائے گا اور اس سے گھڑی ملا کر سحری اور افطار کرنا جائز ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر ریڈیو سے یہ خبر نشر ہو کہ افطار کا وقت ہو گیا ہے تو اس پر اعتماد جائز نہیں ہو گا؛ کیوں کہ یہ براہ راست دینی معاملہ کی خبر ہو گی۔

رمضان وعید کے چاند کی خبر بھی چوں کہ براہ راست دینی معاملہ کی خبر ہے اس لیے ریڈیو کی خبر پر اعتبار کر کے روزہ رکھنا اور عید کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

ضمیمہ

مذکورہ بالا فتوی آج سے تیتالیس سال پہلے کا ہے۔آج جب ٹکنالوجی کی ترقی سے پیغام رسانی کے نئے نئے ذرائع معرض وجود میں آچکے ہیں، جن سے استفاضہ وشہرت کے تحقق میں فرق آگیا ہے۔تواب استفاضہ کے تعلق سے حضرت فقیہ النفس کا تازہ فتوی یہ ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ٹیلیفون اور موبائل کے ذریعہ رمضان وغیرہ کے چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے یانہیں؟

(مولانا) مظفر حسین رضوی

تنظیم المسلمین، بائسی، پورنیہ

۷۸۶

الجواب بعون الملک الوہاب

پہلے ذیل کے مقدمات کو ذہن نشیں کرلیجیے تاکہ جواب کی حقیقت واضح طور پر سمجھ میں آئے۔

مقدمہ (۱) ـــــــ: محکی عنہ کی حکایت کا نام خبر ہے، جس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال رہتا ہے۔ حکایت محکی عنہ کے مطابق ہو تو خبر سچی کہلاتی ہے اور محکی عنہ کے مطابق نہ ہو تو جھوٹی ـــــــ کبھی کبھی خبر، اور، خبر دینے والے کے درمیان سلسلہ ٹوٹ بھی جاتا ہے، تو جس خبر، اور، خبر دینے والے کے درمیان سلسلہ ٹوٹا ہوا ہو، اس خبر کو خبر منقطع، اور جس خبر، اور خبر دینے والے کے درمیان سلسلہ ٹوٹا ہوا نہ ہو، اس خبر کو خبرِ متصل کہتے ہیں ـــــــ مخبرین کی تعداد کے لحاظ سے خبر متصل کی تین قسمیں ہیں: (۱) خبر متواتر (۲) خبر مشہور و مستفیض (۳) خبر واحد۔

خبر متواتر: ۔ خبر دینے والے افراد اتنے زیادہ ہوں کہ عادتاً ان کی بات پر پختہ یقین ہو جائے، کسی قسم کا شبہہ نہ رہے، تو اسے خبر متواتر کہتے ہیں۔

خبر مشہور و مستفیض: ۔ خبر دینے والے افراد ہوں، اور اتنے ہوں کہ ان کی بات پر ظن غالب ملحق بہ یقین ہو جائے، یعنی خبر کے محکی عنہ کے مطابق نہ ہونے کا احتمال ناشی عن دلیل نہ رہے، ہاں! احتمال بلا دلیل رہے، تو اسے خبر مشہور و مستفیض کہتے ہیں۔

خبر واحد: ۔ خبر دینے والا فرد واحد ہو۔ یا۔ افراد بھی ہوں تو اتنے نہ ہوں کہ عادتاً ان کی بات پر ظن غالب ملحق بہ یقین ہو سکے، یعنی خبر کے محکی عنہ کے مطابق نہ ہونے کا احتمال ناشی عن دلیل رہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ

اس کے سچ ہونے احتمال وشبہہ ہو، تو اسے خبر واحد کہتے ہیں۔

اصول الشاشی میں ہے:

الخبر علی ثلثة أقسام: قسم ... ثبت منه بلا شبهة وهو المتواتر، وقسم فيه ضرب شبهة وهو المشهور، وقسم فيه احتمال وشبهة وهو الآحاد. (ص:۷۴)

[خبر کی تین قسمیں ہیں: جس خبر سے بات یقینی طور پر ثابت ہو، اس خبر کو متواتر، جس خبر سے ثابت ہونے میں ایک گونہ شبہہ رہے، اسے مشہور اور جس خبر سے ثابت ہونے میں احتمال وشبہہ رہے، اسے خبر واحد کہتے ہیں۔]

اسی میں ہے:

فالمتواتر ما نقله جماعة عن جماعة لا يتصور توافقهم على الكذب لكثرتهم. (ص:۷۴)

[متواتر وہ خبر ہے جس کے مخبرین اتنے زیادہ ہوں کہ سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا متصور نہ ہو۔]

''حسامی'' اور ''نامی'' میں ہے:

وفی الاصطلاح (الخبر المتواتر) هو خبر جماعة یفید بنفسه العلم بصدقه. (ص:۱۲۸)

[اصطلاح میں خبر متواتر اس خبر کو کہتے ہیں جس کے خبر دینے والے اتنے زیادہ ہوں کہ خبر کے سچ ہونے کا یقین ہو جائے۔]

اصول الشاشی میں ہے:

ثم المتواتر یوجب العلم القطعی. (ص:۷۴)

[خبر متواتر سے علم یقینی ہوتا ہے۔]

اسی میں ہے:

المشهور یوجب علم الطمانینة. (ص:۷۴)

[خبر مشہور سے ظن غالب قوی حاصل ہوتا ہے۔]

''مسلم الثبوت'' اور اس کی شرح ''فواتح الرحموت'' میں ہے:

(ویوجب) الخبر المشهور (ظناً) قویاً (کأنه الیقین) الذی لا مساغ للشبهة والاحتمال الناشی عن دلیل فیه أصلا ویسمی هذا الظن علم الطمانینة وهو الذی قد یعبر عنه بالیقین. (ج:۲،ص:۱۱۲)

[خبر مشہور سے ظن ایسا با قوت ہو جایا کرتا ہے کہ شبہہ اور احتمال عن دلیل کی گنجائش نہیں رہتی ہے، گویا یقین ہو جاتا ہے، اس ظن کو علم طمانینت کہتے ہیں اور کبھی یقین سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں۔]

فتاویٰ رضویہ معریٰ، ج:۴، ص:۵۵۲ تا ۵۵۳، مترجم، ج:۱۰، ص:۴۱۵ تا ۴۱۷ میں ہے:

متعدد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہوا۔ یا۔ عید کی ... یہ خبر اگرچہ نہ خود اپنی رویت کی خبر ہے، نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت، نہ کتاب قاضی پر شہادت، مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین ۔یا۔ بہ غلبۂ ظن ملتحق بالیقین وہاں رویت وصوم وعید کا ہونا ثابت ہوگا۔

اصول الشاشی میں ہے:

خبر الواحد هو ما نقله واحد عن واحد، أو واحد عن جماعة، او جماعة عن واحد ولا عبرة للعدد اذا لم يبلغ حد المشهور. (ص:۷۴)

[جس خبر کو کم لوگوں کے حوالہ سے کم لوگ ۔یا۔ زیادہ لوگوں کے حوالہ سے کم لوگ ۔یا۔ کم لوگوں کے حوالہ سے زیادہ لوگ بیان کریں، یعنی جس خبر کے خبر دینے والے، خبر مشہور کی خبر دینے والوں سے کم ہوں، اسے خبر واحد کہیں گے۔]

اسی میں ہے:

وھو یوجب العمل به فی الأحکام الشرعیة الخ. (ص:۷۴)

[اس سے احکام شرعیہ پر عمل کرنا واجب ہوجاتا ہے۔]

احسن الحواشی میں ہے:

أي حکم خبر الواحد أنه یوجب العمل ولا یوجب العلم لا علم الیقین ولاعلم الطمانینة، وھذامذھب اکثراھل العلم وجملة الفقھا. (ص:۷۴)

[خبر واحد پر عمل کرنا ضروری تو ہے مگر یقین یا ظن غالب قوی کے طور پر نہیں۔ اکثر اہل علم اور تمام فقہا کا مذہب یہی ہے۔]

مقدمہ (۲) ــــــــــ : شہادت بھی اصلاً خبر واحد ہی ہوتی ہے، جس میں محکی عنہ کے مطابق نہ ہونے کا احتمال ناشی عن دلیل رہتا ہے، بلفظ دیگر اس کے سچ ہونے میں شبہہ رہتا ہے۔ اس لیے قیاس کا تقاضا تھا کہ وہ معتبر نہ ہو، مگر چوں کہ شریعت نے قیاس کے برخلاف اسے حجت قرار دے دیا ہے، اس لیے عموماً خبر دینے والوں کا دو اور عادل ہونا ضروری ہوا ــــــــــ خبر مستفیض میں خبر دینے والے زیادہ ہوتے ہیں جس کی بنا پر ان کا کسی جھوٹی بات پر متفق ہو جانے کے تعلق سے بہت ہلکا سا تصور رہتا ہے اس لیے اس میں خبر دینے والوں کا عادل ہونا ضروری نہیں ہوا۔

فتاویٰ رضویہ مترجم میں ہے:

> ایک عظیم جماعت چاہیے کہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرے جس کے بیان سے خوب غلبۂ ظن حاصل ہو جائے کہ ضرور چاند ہوا اگرچہ غلام یا کُھلے فساق ہوں۔
>
> (ج: ۱۰، ص: ۴۰۶)

اس کے برخلاف خبر متواتر میں خبر دینے والے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ان سب کا کسی جھوٹی بات پر متفق ہو جانے کے تعلق سے ضعیف سے ضعیف تصور بھی نہیں رہتا ہے، اس لیے اس میں خبر دینے والوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں رہا۔

قمر الاقمار میں ہے:

قولہ: رواہ قوم: سواء كانوا كفارا أو مسلمين عدولا أو فساقا الا أن الرواة اذا كانوا عدولا فبالعدد القليل منهم يحصل العلم واذا كانوا فساقاً فلا بد للعلم من العدد الكثير منهم. (ص:١٠٨)

خبر متواتر کے مخبرین، عادل، فاسق بلکہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں۔ ہاں! عادل ہوں تو کچھ کم تعداد سے بھی یقین ہو جائے گا۔ اور فاسق ہوں تو زیادہ تعداد درکار ہو گی۔

فتاوی رضویہ مترجم میں ہے:

اور اگر کثرت، حد تواتر کو پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم و کافر سب کی مقبول ہے۔ (ج:١٠، ص:١٠٦)

مقدمہ (۳) ______ : شہادت اگرچہ معتبر ہے مگر چوں کہ وہ خبر واحد ہی ہوتی ہے؛ اس لیے حجت ہونے میں اس کا رتبہ استفاضہ سے کم ہے۔ اور استفاضہ سے چوں کہ ظن غالب ہی ہوتا ہے اگرچہ شہادت سے قوی درجہ کا، اس لیے استفاضہ کا رتبہ تواتر سے کم ہوتا ہے۔ اسی لیے جہاں شہادت کارآمد نہیں ہو پاتی ہے، استفاضہ وہاں بھی کارآمد ہو جاتا ہے۔ یوں ہی جہاں استفاضہ کارآمد نہیں ہو پاتا ہے، تواتر وہاں بھی کارآمد ہو جاتا ہے۔

''حسامی'' اور اس کی شرح ''نامی'' میں ہے:

(قال عيسى بن أبان) من أصحابنا: انه دون المتواتر وفوق خبر الواحد يوجب علم الطمانينة لا علم اليقين . . . (وهو) أي: ما قال عيسى بن أبان (الصحيح عندنا). (ج:۲،ص:۱۴۰)

[ہمارے اصحاب میں سے عیسیٰ بن ابان نے فرمایا ہے کہ خبر مستفیض، درجہ میں تواتر سے کم اور خبر واحد سے بڑھ کر ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس سے ظن غالب قوی ہی ہوتا ہے، یقین نہیں۔ ہم احناف کے نزدیک یہی صحیح ہے۔]

فواتح الرحموت میں ہے:

الخبر المشهور برزخ بين المتواتر والآحاد.

(ج:۲،ص:۱۱۲)

[خبر مشہور، خبر آحاد اور خبر متواتر کے درمیان برزخ ہے۔]

فتاویٰ عالمگیری کتاب الشہادات باب الجرح والتعدیل میں ہے:

اذا سأل جيرانه و أهل محلته وهم غير ثقات فاتفقوا على تعديله ووقع في قلبه أنهم صدقوا، كان ذلك بمنزلة تواتر الأخبار كذا في المحيط. (ج:۳،ص:۵۲۹)

[کسی گواہ کے پڑوس اور محلّہ والے غیر ثقہ ہوں اور وہ لوگ متفقہ طور پر اس گواہ کی تعدیل کریں تو ان لوگوں کی سچائی پر دل مطمئن ہو جانے کی صورت میں مان لیا جائے گا؛ کیوں کہ اتنے سارے لوگوں کا اتفاق تواتر کے قائم مقام (یعنی استفاضہ) ہے۔]

مقدمہ (۴) ـــــــــ: یہ بات پہلے ہی بیان ہو چکی ہے کہ اقتضاے قیاس کے مطابق شہادت سے ظن غالب نہیں ہونا چاہیے تھا، مگر شریعت نے خلافِ قیاس، ظن غالب ملحق بہ یقین قرار دیا ہے، اس لیے وہ دلیل وحجت ہے ـــــ شہادت پر شہادت میں بالواسطہ شہادت ہوتی ہے، اس لیے وہ بھی دلیل وحجت ہے ـــــــــ قاضی کا فیصلہ اور اس کے خط میں بھی بالواسطہ شہادت ہوتی ہے اگرچہ کہیں صراحتاً اور کہیں ضمناً۔ اس لیے فقہاے کرام نے خلاف قیاس ان کو بھی دلیل وحجت کے خانے میں رکھا ہے ـــــ خبر مستفیض سے محکی عنہ کا ثبوت، ظن غالب قوی ملحق بہ یقین، اور خبر متواتر سے پورے یقین کے طور پر ہو جاتا ہے، تو اپنی اپنی قوتوں ہی کے اعتبار سے وہ بھی دلیل وحجت ہیں۔

مگر واضح رہے کہ شہادت ہو۔ یا۔ استفاضہ۔ یا۔ تواتر، ان کے ذریعے جن چیزوں کا ثبوت ہو رہا ہے، وہ چیزیں اگر حجت ہیں تو شہادت، استفاضہ اور تواتر کے ذریعہ حجت کا ثبوت ہوگا۔ جیسے قاضی کا فیصلہ شرعاً حجت ہے، تو اگر قاضی کے فیصلہ پر شہادت ہو، تو حجت کا ثبوت بہ ظن غالب ہوگا۔ قاضی کے فیصلہ پر استفاضہ ہو، تو حجت کا ثبوت بہ ظن غالب قوی ہوگا، اور تواتر ہو، تو حجت کا ثبوت یقینی ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۵۵۳ میں ''درمختار'' کے حوالہ سے ہے:

شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا

شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به ... قضى أي جاز لهذا القاضى أن يحكم بشهادتهما لأن قضاء القاضى حجة وقد شهدوا به.

[لوگوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو شخصوں نے فلاں رات کو چاند دیکھنے کی گواہی دی، جس کی بنیاد پر اس قاضی نے چاند کا فیصلہ کر دیا۔ تو اس قاضی کو یہ حق ہے کہ ان گواہوں کی گواہی پر چاند کے ثبوت کا فیصلہ کر دے؛ کیوں کہ قاضی کا فیصلہ حجت ہے اور ان گواہوں نے اسی کی گواہی دی ہے۔]

لیکن! اگر وہ چیزیں حجت نہیں ہیں، تو شہادت ہو، یا استفاضہ، یا تواتر، ان کے ذریعے اُن چیزوں کا ثبوت تو ہوگا، مگر حجت شرعیہ کا ثبوت نہیں ہوگا۔ جیسے: کسی شہر میں عوام، مفتیِ اسلام کے تابع نہ ہوں، از خود روزہ وعید طے کر لیتے ہوں، تو شہادت ہو۔ یا۔ استفاضہ۔ یا۔ تواتر، ان سے اس شہر کے لوگوں کا روزہ رکھ لینا حسب مراتب ظن غالب۔ یا۔ ظن غالب قوی۔ یا۔ یقین کے ساتھ ثابت ہوگا۔ مگر چوں کہ اس شہر کے لوگوں کا روزہ رکھ لینا شرعاً حجت نہیں ہے، اس لیے حجت شرعی کا ثبوت نہیں ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۵۵۳ میں ہے:

ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی قابل قبول نہیں کہ اس سے کسی حجت شرعیہ کا ثبوت نہ ہوا۔

مقدمہ (۵) ــــــــــ: روزہ وعید کا مدار دراصل افق کے اوپر نئے چاند کے آجانے پہ ہے۔ اکمال مدت سے افق پر نئے چاند کا وجود یقینی طور پر ہو جاتا ہے اس لیے اکمال مدت کے بعد کچھ کرنے، سوچنے کی ضرورت نہیں۔ اکمال مدت سے پہلے انتیسویں تاریخ کو افق پر نئے چاند کا وجود و عدم دونوں برابر ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم رویت سے متعلق کر دیا ہے۔

ارشاد ہے:

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته. (بخاری)

[چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ چھوڑو!]

مگر سب کے لیے دیکھ پانا کہاں ممکن ہے؟ اس لیے ان کے حق میں چاند دیکھنے کا ثبوت بذریعہ خبر ہی ہوسکتا ہے۔ اب خبر چاہے تواتر کے طور پر ہو ۔یا۔ استفاضہ کے طور پر۔یا۔ شہادت کے طور پر۔یا۔ خبر محض کے طور پر، سب سے مقصود چاند دیکھے جانے ہی کو ثابت کرنا ہوگا۔

مقدمہ (٦) ______: اوران میں فرق وامتیاز قوت اثبات کا ہوگا۔
یعنی تواتر سے یقینی طور پر ثابت ہوگا، استفاضہ اور شہادت سے ظن غالب ملحق بہ یقین کے طور پر ______ پھر استفاضہ وشہادت میں بھی فرق قوتِ اثبات ہی کا ہوگا۔ یعنی استفاضہ سے ظن غالب قوی ملحق بہ یقین اور شہادت سے ظن غالب ملحق بہ یقین ہوگا،، جبکہ خبر محض سے ظن غالب ملحق بہ یقین نہیں ہوگا۔ اس لیے روزے کے چاند کا ثبوت کے لیے بھی شریعت نے قیود وشرائط لگائے ہیں۔

درج بالا مقدمات کو ذہن نشیں کر لینے کے بعد اب اپنے سوال کا اصل جواب ملاحظہ فرمایئے کہ:

گواہی دینے والے گواہی لینے والوں کے سامنے موجود ہوں اور ٹیلیفون۔یا۔موبائل کے ذریعہ گواہی دیں تو حسب شرائط ان کی گواہی سے روزہ وعید کے چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ مترجم میں ہے:

اگر وہ (گواہی دینے والا) اس (گواہی لینے والے) کے پیش نظر ہے جسے دو بدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو اور ٹیلیفون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دور سے آواز پہنچنا دشوار تھا، تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعاً معتبر ہوتی، اب بھی ہوگی۔ مثلاً خود اپنی رویت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادت ہے۔(ج:١٠،ص:٣٧٠)

اسی طرح ٹیلیفون۔یا۔موبائل کے ذریعہ استفاضہ کا تحقق ہو جائے تو بھی روزہ وعید کے چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے۔مثلاً:

(الف) جس شہر میں لوگ سنّی صحیح العقیدہ عالم دین کے فیصلے پر ہی روزہ و عید کرتے ہیں، اس شہر سے اتنے زیادہ معلوم لوگ جس کی تعداد کم سے کم 9 ہو تا کہ جماعات متعددۃ [متعدد جماعتیں] صادق آئے، معلوم نمبروں کے ٹیلیفونوں اور موبائلوں کے ذریعہ خبر دیں کہ یہاں سنّی حضرات نے بربنائے رویت روزہ رکھا ہے۔ یا۔ عید کر رہے ہیں بلکہ احتیاطاً اپنی طرف سے بھی ان نمبروں پر فون کر کے مزید اطمینان کر لیا جائے کہ انہیں لوگوں نے ٹیلیفون اور موبائل پر خبر دی ہے۔ اسی طرح دوسرے معلوم نمبروں پر بھی فون کر کے تصدیق حاصل کر لی جائے، جس سے چاند ہو جانے کا ظن غالب قوی ملحق بہ یقین ہو جائے۔

فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۱۰، ص: ۴۱۵ تا ۴۱۷ میں ہے:

''جس اسلامی شہر میں... قاضی شرع نہیں، تو مفتیِ اسلام مرجع عوام و متبع الاحکام ہو کہ احکام روزہ و عیدین اسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں... وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رویت روزہ ہوا۔ یا۔ عید کی گئی... یہ خبر اگرچہ نہ خود اپنی رویت کی شہادت ہے نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت، نہ کتاب

قاضی پر شہادت، مگراس مستفیض خبر سے بالیقین ۔یا۔ بہ غلبۂ ظن ملتحق بالیقین وہاں رویت صوم وعید کا ہونا ثابت ہوگا۔اور جب کہ وہ شہر اسلامی اور احکام حکّام کی وہاں پابندی دوامی ہے،تو مظنون ہوگا کہ امر بحکم واقع ہوا،تو اس طریقہ سے قضائے قاضی کہ حجّت شرعیہ ہے (ضمناً) ثابت ہوجائے گی۔

ردالمحتار، کتاب الصوم میں ہے:

الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلا بد من أن يكون صومهم مبنيًا على حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور.

[استفاضہ میں نہ تو قضائے قاضی پر شہادت ہے اور نہ ہی شہادت پر شہادت، مگر چوں کہ استفاضہ خبر متواتر کی طرح

ہے اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس شہر کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا؛ کیوں کہ عادۃً شہر، حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں لامحالہ ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے فیصلے پر ہوا ہوگا پس استفاضہ اس فیصلے کی نقل ہوگا۔]

اسی میں ہے:

قال الرحمتي معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية، لا مجرد الشيوع الخ.

[علامہ رحمتی نے فرمایا: استفاضہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب اس بات کی اطلاع دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، محض افواہ نہیں۔]

تنبیہ الغافل والوسنان میں ہے:

لما كانت الاستفاضة بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم

كذا لزم العمل بها؛ لأن المراد بلدة فيها حاكم شرعي كما هو العادة في البلاد الاسلامية، فلا بد أن يكون خبرهم مبنياً على حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور.

[جب چاند نظر آنے کی خبر، خبر متواتر کی طرح مشہور ہو اور اس سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند نظر آنے پر روزہ رکھا ہے تو ایسی خبر پر عمل لازم ہوگا؛ کیوں کہ اس سے وہ شہر مراد ہے جس میں حاکم شرعی ہو جیسا کہ عادتاً اسلامی شہروں میں ہوتا ہے۔ تو یہ استفاضہ معناً حاکم شرعی کے فیصلہ کی نقل ہے۔]

... دربارۂ استفاضہ یہ تحقیق علامہ شامی کی ہے اور اس تقدیر پر وہ شرائط ضرور ہیں کہ صوم وعید بربنائے حکم حاکم شرع عالم متبع احکام ہوا کرتا ہو۔''

(ب) اسی طرح سنی صحیح العقیدہ متدیّن عالم دین کے ثبوت ہلال کا فیصلہ کرنے کی خبر دیں تو اس استفاضہ کا تحقق ہو جائے گا جو شرعاً حجت ہے۔

فتح القدیر، ج:۲،ص:۲۴۳، پھر بحر الرائق، ج:۲،ص:۲۷۰، اور تنبیہ الغافل

والوسنان للعلامۃ الشامی، ص:۲۵۲ میں ہے:

ولو شهدوا أن قاضي بلدة كذا شهد عنده اثنان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى بشهادتهما جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما؛ لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به. انتهى

[اگر لوگوں نے یہ گواہی دی کہ قاضی کے پاس دو آدمیوں نے فلاں رات چاند دیکھنے کی گواہی دی اور قاضی نے ان دونوں کی گواہی پر چاند ہو جانے کا فیصلہ کر دیا تو اس قاضی کو یہ حق ہوگا کہ ان گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر دے۔ کیوں کہ قاضی کا فیصلہ دلیل شرعی ہے اور ان لوگوں نے اسی کی گواہی دی ہے۔]

فتاوی رضویہ مترجم میں ہے:

جس شہر میں قاضی شرع ہو اور اسی کے حکم سے وہاں روزہ وعید ہوا کرتے ہوں، وہاں سے لوگ گروہ کے گروہ آئیں اور بالاتفاق اس حاکم شرع کا حکم بیان کریں، (تو استفاضۂ شرعی متحقق ہو جائے گا) (ج ۱۰، ص: ۳۷۹)

(ج) یوں ہی یہ بتائیں کہ وہاں ہمارے سامنے لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے، تو بھی استفاضۂ شرعی متحقق ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ ہی میں ہے:

> اور ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعات کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے، جن کا بیان مورث یقین شرعی تھا۔ ظاہراً اس تقدیر پر وہاں کسی حاکم شرع کا ہونا ضروری نہیں کہ رویت فی نفسہا حجّت شرعیہ ہے۔ (ص: ۴۱۷)

(د) ایسے ہی اپنی رویت کی خبر دیں، تو بھی استفاضۂ شرعی کا تحقق ہو جائے گا؛ کیوں کہ جب دوسروں کے تعلق سے یہ کہنے پر کہ وہاں لوگ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے، استفاضۂ شرعی کا تحقق ہو جاتا ہے، تو اپنے بارے میں یہ کہنے سے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے، بدرجۂ اولیٰ استفاضۂ شرعی کا تحقق ہو جائے گا۔

شبہہ (۱):۔ اعلیٰ حضرت نے تار کی خبر سے استفاضۂ شرعی کا تحقق تسلیم نہیں کیا ہے، تو ٹیلی فون اور موبائل سے کیسے تحقق ہو جائے گا؟

ازالۂ شبہہ:۔ اعلیٰ حضرت نے تار سے استفاضۂ شرعی کے تحقق نہ ہونے کی

یہ وجہیں بیان کی ہیں:

(الف):

جو چاہے تار گھر میں جائے اور جس کے نام سے چاہے تار دے آئے، وہاں نام اور نسب کی کوئی تحقیقات نہیں ہوتی۔ بالفرض اگر اصل خبر میں کوئی خلل شرعی نہ ہو، تاہم اس کا جامۂ اعتبار تار میں آکر یکسر تار تار، کہ وہ بیان ہم تک اصالۃً نہ پہنچا، بلکہ نقل در نقل ہو کر آیا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰،ص:۳۴۳)

(ب):

نہ یہاں حد تواتر تک پہنچنا معقول کہ دس نہیں ہزار جگہ سے تار آئیں، ہم کو تو ایک ہی تار گھر سے ملیں گے۔ اور کہیں دو چار بھی ہوئے تو یہ تواتر نہیں۔ (۳۶۹)

(ج):

یہاں اگر متعدد جگہ سے خط یا تار آئے بھی تو اولاً وہ ان وجوہ ناجوازی سے جنہیں ہم نے فتویٰ میں مفصلاً ذکر کیا، ہرگز بیان مقبول کے سلسلے میں نہیں آسکتے۔ ڈاک کے منشی، تار کے بابو، چٹھی رساں اکثر کفّار یا عموماً مجاہیل یا فسّاق

فجار ہوتے ہیں، اور بفرض باطل آئیں بھی تو یہ تعدد مخبر عنہ
میں ہوا نہ کہ مخبرین میں کہ یہاں تار لینے والے بابو اگر
مسلمان ثقہ ہوں بھی تو ہرگز اتنی جماعت متعددہ نہ ہوں گی
جن کی اخبار پر یقین شرعی حاصل ہو۔ بلکہ عامۂ بلاد میں
صرف دو ایک ہی تار گھر ہوتے اور صدر ڈاک خانہ تو
ایک ہی ہوتا ہے اگر چہ بڑے شہر میں تقسیم کے لیے دو چار
برانچ اور بھی ہوں۔ (۴۲۷)

اور ظاہر ہے کہ سطور بالا میں موبائل اور جن ٹیلی فونوں کا، اور جس طرح ان سے ملی ہوئی خبروں پر اطمینان و تصدیق کا تذکرہ ہوا، ان میں وہ باتیں جو امام احمد رضا نے تار کے تعلق سے بیان فرمائی ہیں، نہیں پائی جاتی ہیں۔ آج موبائل اور ٹیلی فونوں سے خبر نہ تو نقل در نقل ہو کر آتی ہے اور نہ ہی دو چار واسطوں سے ہم تک پہنچتی ہے۔

شبہہ (۲):۔ اعلی حضرت نے ٹیلی فون کی خبر کو بھی امور شرعیہ میں نا معتبر قرار دیا ہے تو اس سے استفاضۂ شرعیہ کا تحقق کیسے ہو جائے گا؟

ازالۂ شبہہ:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانہ کو تو سو سال ہو گئے، آج سے تیس پینتیس سال پہلے بھی ٹیلی فون سے خبر کی یہ صورت نہیں تھی، جو صورت آج ہے۔ اس وقت ٹیلی فون سے بات کرنے کے لیے پہلے مقامی ایکس چینج میں کال بک

کرانی پڑتی تھی، پھر مقامی ایکس چینج دوسرے ایکس چینج سے رابطہ کرتا تھا، اس کے بعد وہ ایکس چینج اس ٹیلی فون سے رابطہ کرنے کے بعد بطرزِ معکوس ٹیلی فون کرنے والے سے بات کراتا تھا، جس میں بسا اوقات گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اور اب ٹیلی فون ہو، یا موبائل، ان سے بات کرنے کے لیے ان واسطوں کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ آپ جن سے بات کررہے ہوتے ہیں ان کا نمبر آپ کی نگاہ میں اور جو آپ سے بات کر رہا ہوتا ہے آپ کا نمبر ان کے سامنے ہوتا ہے۔ بلکہ دونوں جانب تھری جی سم کارڈ☆ ہوں تو آپ ان کو اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اعلی حضرت نے ٹیلی فون کے ذریعہ بیان کو استفاضۂ خبر کے تعلق سے نامعتبر نہیں قرار دیا ہے، بلکہ شہادت لینے والے اور شہادت دینے والے دو بدو نہ ہوں تو ٹیلی فون کے ذریعہ شہادت کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

فتاوی رضویہ مترجم میں ہے:

تار کی حالت ٹیلی فون درکنار، خط سے بھی بہت گری ہے ...اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں...تو شرعاً تار پر عمل کیوں کر ممکن؟ یوں ہی ٹیلی فون کہ اس میں شاہد و مشہود نہیں ہوتا، صرف آواز سنائی دیتی ہے۔ (ج: ۱۰، ص: ۳۶۷)

☆ اور اب تو ہندوستان میں بھی، فائیو جی تک لانچ ہو چکی ہے۔

اسی میں ہے:

ٹیلی فون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگر چہ آواز پہچانی جائے کہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ اگر وہ شہادت دے معتبر نہ ہوگی۔ (ص: ۳۷۰)

لیکن گواہی لینے والے اور گواہی دینے والے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں تو ٹیلی فون کے ذریعہ شہادت کو بھی معتبر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۱۰، ص: ۳۷۰ کے حوالہ سے یہ عبارت، جو اوپر کی عبارت سے بالکل متصل ہے گزر چکی ہے:

ہاں! اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دوبدو، آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو اور ٹیلی فون کا واسطہ صرف بوجہ آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دور سے آواز پہنچنا دشوار تھا، تو اس صورت میں میں اس کی بات جس حد تک شرعاً معتبر ہوتی اب بھی ہوگی۔ مثلاً خود اپنی رویت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے۔

شبہہ (۳) :۔ مصنف بہارشریعت حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ امجدیہ میں فرمایا ہے کہ:

ٹیلی فون اور ریڈیو کی خبریں اس باب میں ناقابل اعتبار ہیں کہ ان سے کسی چیز کا ثبوت شرعی نہیں ہوتا۔ ایسی خبروں سے نہ روزہ رکھا جائے نہ عید کی جائے گی۔ ان خبروں کو نہ شہادت شمار کیا جاسکتا ہے نہ ان کو استفاضہ میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

ازالۂ شبہہ :۔ بلا شبہہ حضرت صدرالشریعہ کے زمانہ میں ٹیلی فون سے خبریں جس طور سے موصول ہوتی تھیں ان سے استفاضہ کا تحقق نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر آج صورت حال یکسر بدلی ہوئی ہے، جیسا کہ شبہہ (۲) کے جواب میں مذکور ہو چکا ہے، اس لیے اُس زمانہ کے حکم کا اجرا آج کے دور میں نہیں ہوگا۔

شبہہ (۴) :۔ شامی میں علامہ رحمتی کے حوالہ سے استفاضہ کی جو تعریف کی گئی ہے، اس میں أن تأتی من تلک البلدة کے الفاظ ہیں اور امام احمد رضا نے ''آئیں'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جب کہ موبائل اور ٹیلی فون کی خبروں میں خبر دینے والا ''آتا'' نہیں ہے، تو ٹیلی فون کی خبروں پر استفاضۂ خبر کی تعریف کیسے صادق آئے گی؟

ازالۂ شبہہ : [الف] علامہ رحمتی کا استعمال کردہ لفظ أن تأتي اور امام

احمد رضا کا استعمال کردہ لفظ ''آئیں'' استفاضہ کی ماہیت میں داخل نہیں، بلکہ تحقق کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ خبر کی تعریف ہے: محکی عنہ کی حکایت۔ اس میں ''آنا'' شامل نہیں ہے۔ اسی طرح خبر دینے والوں کے اعتبار سے اس کی اقسام: خبر واحد، خبر مستفیض اور خبر متواتر کی تعریفات میں بھی مخبرین کا ''آنا'' شامل نہیں ہے (دیکھیے مقدمہ:۱) تو خبر واحد ہو، مستفیض ہو۔ یا۔ متواتر، کسی کی بھی ماہیت میں ''آنا'' داخل نہیں ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی گواہ کے پڑوس اور محلّہ میں غیر ثقہ لوگ ہی رہتے ہوں اور قاضی کا آدمی جا کر ان ہی لوگوں سے اس گواہ کی ثقاہت کے بارے میں دریافت کرے اور وہ لوگ بالاتفاق اس کی تعدیل کریں تو استفاضہ کا تحقق ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ اس صورت میں ''آنا'' نہیں پایا جاتا ہے۔

''فتاویٰ عالم گیری''، کتاب الشہادات، باب الجرح والتعدیل میں ہے:

اذا سأل جيرانه وأهل محلته وهم غير ثقات، فاتفقوا على تعديله ووقع في قلبه أنهم صدقوا كان ذلك بمنزلة تواتر الأخبار. كذا في المحيط. (ج:۳، ص:۵۲۹)

[کسی گواہ کے پڑوس اور محلّہ میں لوگ غیر ثقہ ہوں اور وہ لوگ متفقہ طور پر اس گواہ کی تعدیل کریں تو ان لوگوں کی

سچائی پر دل مطمئن ہو جانے کی صورت میں مان لیا جائے گا، کیوں کہ اتنے سارے لوگوں کا اتفاق تواتر کے قائم مقام (یعنی استفاضہ) ہے۔]

مطلع صاف ہونے کی صورت میں فقہائے کرام، جمع عظیم کا اپنی رویت کی خبر دینا، جس سے استفاضہ متحقق ہو جائے، ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن! جمع عظیم کا اطلاق کتنے افراد پر ہوگا؟ اس سلسلہ میں امام محمد علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ قاضی کو جتنے لوگوں کے بیان پر اعتماد ہو جائے۔ صاحب بحرالرائق نے اسی کو حق کہا ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ: ہر طرف سے مسلسل ''خبر آئے''۔ یہ نہیں فرمایا ہے کہ ''لوگ آکر'' خبر دیں۔

چنانچہ ''تنبیہ الغافل والوسنان''، ص: ۲۳۴ میں ہے:

واذا لم يكن في السماء علة اشترط لهلال رمضان والفطر جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم ... هذا ظاهر الرواية ولم يقدر فيها الجمع العظيم بشيء ... وعن محمد تفويضه الى رأى الامام، قال في البحر والحق ما روي عن محمد وأبي يوسف أيضا أن العبرة لتواتر

الخبر ومجيئه من كل جانب. انتهى وذكر الشرنبلالي وغيره تبعا للمواهب أن الأصح رواية تفويضه الى رأي الامام.

[مطلع صاف ہوتو رمضان کا چاند ہو، یا عید کا چاند، سب کے ثبوت کے لیے اتنی بڑی جماعت کا دیکھنا شرط ہے جس کی خبر سے یقین شرعی یعنی ظن غالب ہو جائے۔ جماعت میں کتنے لوگ ہوں؟ ظاہر الروایۃ میں تعداد متعین نہیں کی گئی ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ قاضی کو جتنے لوگوں کی باتوں سے ظن غالب ہو جائے۔ بحرالرائق میں ہے کہ حق وہی ہے جو امام محمد اور امام ابو یوسف سے بھی مروی ہے یعنی ہر جانب سے مسلسل خبر آئے۔ شرنبلالی نے مواہب کی اتباع میں قاضی کے ظن غالب ہی کو زیادہ صحیح ٹھہرایا ہے۔]

''بحرالرائق'' میں ہے:

وعن محمد ما استكثره الحاكم فهو كثير وما استقله فهو قليل. (ج:۲،ص:۲۶۹)

[امام محمد سے مروی ہے کہ قاضی جس جماعت کو بڑی

جماعت سمجھے وہ بڑی جماعت ہے اور جس جماعت کو
چھوٹی جماعت سمجھے وہ چھوٹی جماعت۔]

[ب] کسی مقام پر بہت سے لوگ موجود ہوں اور دو چار کو چھوڑ کر سب چاند دیکھ لیں اور خبر دیں تو کیا ان دو چار کے حق میں مخبرین کی تعداد کے لحاظ سے تواتر۔یا۔خبر مستفیض کا تحقق نہیں ہو جاتا ہے؟ حالاں کہ یہاں مخبرین کا 'آنا' نہیں پایا جاتا ہے کیوں کہ خبر دینے والے اور جن کو خبر دی جارہی ہے سب پہلے ہی سے ایک ہی جگہ موجود ہیں۔چنانچہ صاحب فتح القدیر اوران کے حوالہ سے صاحب بحرالرائق نے پھران کے حوالہ سے علامہ شامی اور علامہ شامی کے حوالہ سے امام احمد رضا نے فرمایا ہے:

ان العبرة بمجي الخبر وتواتره من كل جانب.

[بے شک اعتبار ہر طرف سے لگا تار خبر آنے کا ہے۔]

تو معلوم ہوا کہ 'خبر مستفیض' کے 'تحقق' کے لئے مخبرین کا 'آنا' ضروری نہیں ہے——— ہاں! علامہ رحمتی نے ایک مقام کی بات دوسرے مقام تک بذریعۂ خبر مستفیض پہنچنے کے لیے أن تأتي کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور امام احمد رضا نے اسی کا ترجمہ ''آئیں'' کے لفظ سے کیا ہے۔کیوں کہ علامہ رحمتی کے زمانے میں مخبرین کے 'آئے' بغیر ایک مقام کی خبر دوسرے مقام تک اسی

طرح پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے اس امر واقعی کے اعتبار سے علامہ رحمتی نے أن تأتي اور امام احمد رضا نے 'آئیں' کے الفاظ استعمال فرمائے۔ جیسے قرآن کریم نے سود کھانے کی ممانعت فرماتے ہوئے اس زمانہ میں عرب کے دستور کے پیش نظر لا تأكلوا الربا أضعافا مضٰعفة. [سود دونا دون مت کھاؤ] فرمایا۔ یہ نہیں کہ أضعافا مضٰعفة. [دونا دون] نہ ہو تو سود کھانے کی ممانعت نہیں ہے۔

[ج] ''آنا'' استفاضہ کی ماہیت میں داخل ہوتا تو امام احمد رضا کو 'تار' سے استفاضہ متحقق نہ ہونے کے سلسلہ میں سطروں کی سطریں روشن کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس 'آنا' کے فقدان پر تنبیہ کر دینا کافی تھا۔ کیوں کہ استفاضہ متحقق نہ ہونے کے لیے کوئی بھی چیز 'آنا' کے فقدان سے بڑھ کر تو کیا؟ اس کے برابر بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ جیسے:

فعل کی تعریف ہے: وہ لفظ جو اپنا معنی خود بتائے اور زمانہ سے مقترن ہو۔ اب اگر کوئی شخص ''درخت'' کو فعل کہنے لگے تو اس کے رد کے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ ''درخت'' میں تو زمانہ ہی نہیں ہے، اس لیے وہ فعل نہیں ہو سکتا۔

مگر رد کرنے والا ''درخت'' میں زمانہ کا عدم اقتران نہ بتا کر صفحات کے صفحات سیاہ کرنے لگے تو سمجھا جائے گا کہ رد کرنے والے کے نزدیک فعل کی ماہیت میں یا تو اقتران زمانہ داخل نہیں ہے، یا پھر اسے فعل کی ماہیت کا علم ہی

نہیں ہے۔
ہم دیکھتے ہیں کہ امام احمد رضا نے تار سے موصول شدہ خبروں کے ذریعہ استفاضہ متحقق نہ ہونے کے سلسلہ میں ''آنا'' کے فقدان پر تنبیہ نہ کر کے سطروں کی سطریں روشن کی ہیں، تو معلوم ہوا کہ امام احمد رضا کے نزدیک بھی استفاضہ متحقق ہونے کے لیے ''آنا'' ضروری نہیں ہے۔

[د] اس سے بھی واضح بات یہ ہے کہ امام احمد رضا نے مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کی کفری عبارتوں کو متواتر قرار دے کر ان کی تکفیر فرمائی ہے۔ تو کیا بہت سے لوگوں نے ان حضرات کو وہ عبارتیں لکھتے ہوئے دیکھنے۔ یا۔ ان کی زبانی لکھنے کا اقرار سننے کے بعد امام احمد رضا کے پاس آکر یہ خبر دی تھی کہ آپ کے نزدیک وہ عبارتیں متواتر ہو گئی تھیں؟

شبہہ (۵):۔ خبر مستفیض خبر متصل کی قسم ہے اور اتصال کے لیے لقا و وصل بالفعل، خواہ بالامکان ضروری ہے۔ جب کہ ٹیلی فون اور موبائل کی خبروں میں خبر دینے والے اور خبر پانے والے میں لقا و وصل نہیں ہوتا ہے تو ٹیلی فون اور موبائل سے ملنے والی خبر متصل ہی نہیں ہوگی اور جب متصل ہی نہیں ہوگی تو مستفیض کیسے ہو سکے گی؟

ازالۂ شبہہ: لقا و وصل نہ بیع و شرا کی طرح کوئی عقد ہے کہ مجلس بدلنے سے

اس کا حکم بدل جائے، نہ شہادت کی طرح کوئی چیز کہ دو بدو یعنی اِس کی آنکھوں کا اُس کی آنکھوں کے سامنے اور اُس کی آنکھوں کا اِس کی آنکھوں کے سامنے ہونا لازمی ہو۔ بلکہ یہ دیکھنے اور سننے کی طرح ہے۔ جس طرح چشمہ اور ایئر فون کے بغیر محض آنکھ اور کان سے دیکھا اور سنا جاتا ہے اسی طرح چشمہ اور ایئر فون کے ذریعہ بھی دیکھا اور سنا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چشمہ اور ایئر فون کے ذریعے دیکھ، سن کر بھی گواہی مقبول ہو جاتی ہے ——— یوں ہی لقا و وصل ہے کہ جس طرح ٹیلی فون اور موبائل کے بغیر لقا و وصل ہوتا ہے، اسی طرح ٹیلی فون اور موبائل کے ذریعے بھی لقا و وصل ہی ہوتا ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے قاضی اور گواہوں کے ایک دوسرے کو دیکھنے کی صورت میں بذریعہ ٹیلی فون دور سے دی ہوئی گواہی کو کیسے مقبول قرار دیا ہے؟ کما مر مراراً۔

اس لیے ٹیلیفون اور موبائل کے ذریعے موصولہ خبر بھی خبر منقطع نہیں، حکماً خبر متصل ہی ہے؛ اور جب خبر متصل ہے تو مستفیض بھی ہوسکتی ہے۔

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

تکملہ

سوالات

ایک عالم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ:

(۱) حدیث میں ''رویت'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی دیکھنا بھی ہیں اور علم بھی ہیں، تو دیکھنے ہی پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر رصدگاہ (Observatory) والے یہ بتائیں کہ فلاں دن چاند اور سورج میں اتنا فاصلہ ہوگا، اس لیے چاند نظر آنے کے قابل ہو جائے گا۔ تو کیا اس سے ہمیں علم نہیں ہوگا؟

(۲) اختلاف مطالع کا مسئلہ جس کی وجہ سے انتشار ہوتا ہے، نہ تو ظاہر الروایہ میں ملتا ہے اور نہ ہی متون معتمدہ میں، صرف بعض شروح وفتاوی کی کتابوں میں ملتا ہے۔ تو انتشار سے بچنے کے لیے اسے معتبر مان لیا جائے تو کیا حرج ہے؟

(۳) انگلینڈ اور امریکہ کے طلوع وغروب میں کئی گھنٹوں کا فرق ہے۔ جب وہاں چاند نکلے گا تو یہاں صبح ہو جائے گی پھر کیسے استفاضۂ خبر ہوگی؟

(۴) علامہ شامی نے توپوں کے فائر سے روزہ کے وجوب کی بات کہی ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے فون کے ذریعہ تین چار آدمی کی خبر آ جائے تو روزہ واجب ہونا چاہیے۔ آخر فون سے نو آدمی کی خبر کی قید کیوں ہے؟

محمد نظام الدین مصباحی

صدر المدرسین

دار العلوم غوثیہ رضویہ بلیک برن (یو کے)

الجواب

(۱)

بلاشبہ رویت کے معنی ''دیکھنے'' کے بھی ہیں اور ''علم'' کے بھی، مگر سوال یہ ہے کہ کہاں اس کے معنی ''دیکھنے'' کے ہوں گے اور کہاں ''علم'' کے؟

اس سلسلے میں نحوی قاعدہ یہ ہے کہ:

افعال متعدیہ کی متعدد قسمیں ہیں:

(الف) وہ متعدی افعال جن کا ایک ہی مفعول بہ ہوتا ہے۔ جیسے: ضربتُ زیداً (میں نے زید کو مارا)

(ب) وہ متعدی افعال جن کے دو مفعول بہ ہوتے ہیں، اور دنوں متغائر، اس لیے کسی ایک کو حذف کر دینا بھی درست ہے۔ جیسے: أعطیتُ زیداً درھماً (میں نے زید کو ایک درہم دیا)۔ چنانچہ اس کی بجائے أعطیتُ زیداً (میں نے زید کو دیا) یا أعطیتُ درھماً (میں نے ایک درہم دیا) بھی کہہ سکتے ہیں۔

(ج) وہ متعدی افعال جن کے دو مفعول بہ ہوتے ہیں اور دونوں کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے، اس لیے دونوں میں سے کسی کو حذف کرنا درست

نہیں۔ جیسے: علمتُ زیداً فاضلاً (میں نے جان لیا کہ زید فاضل ہے)۔
نحویوں کی اصطلاح میں یہ افعال، افعال قلوب کہلاتے ہیں۔

(د) وہ متعدی افعال جن کے تین مفعول بہ ہوتے ہیں۔ جیسے: أخبرَ زیدٌ عمراً بکراً فاضلاً (زید نے عمرو کو بتایا کہ بکر فاضل ہے)

بعض افعال، متعدی بیک مفعول بھی ہوتے ہیں اور متعدی بدو مفعول کی دوسری قسم یعنی افعالِ قلوب بھی ہوتے ہیں، مگر متعدی بیک مفعول ہونے کی صورت میں اس کے جو معنی ہوتے ہیں، وہ الگ ہوتے ہیں، اور متعدی بدو مفعول ہونے کی صورت میں جو معنی ہوتے ہیں، وہ الگ ہوتے ہیں۔

الکناش فی فنی النحو والصرف، ج:۲، ص:۳۶ میں ہے:

و قد تجيء بعض هذه الأفعال بمعنى آخر فتجيء ظننت من الظنة بمعنى التهمة، و تجيء علمت بمعنى عرفت كقوله تعالى: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ۔ أي عرفتم وتجيء وجدت بمعنى وجدان الضالة أي بمعنى الأصابة، تقول: وجدت ناقتي أي أصبتها، وتجيء رأيت بمعنى البصر، تقول: رأيت زيداً أي أبصرته واذا استعملت هذه الأفعال في هذه المعاني

المذكورة فلا تتعدى الى أكثر من مفعول واحد؛ لأن معانيها حينئذ لا تقتضى الا التعلق بمعنى واحد، فتقول: علمت زيداً كما تقول: عرفت زيداً۔

[مذکورہ بالا بعض افعال، کبھی دوسرے معانی میں بھی آتے ہیں۔جیسے: ''ظِنة'' سے ''ظننتَ''، ''تہمت'' کے معنی میں، اور ''علمتُ''، ''عرفتُ'' کے معنی میں۔قرآن کریم میں ہے: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ۔ أي عرفتم (اور یقیناً تمہارے علم میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن سرکشی کی، یعنی تم انھیں پہچانتے ہو۔) یوں ہی ''وجدت''، ''گمشدہ چیز کو پانے'' کے معنی میں، جیسے تم کہتے ہو: ''میں نے اپنی گم شدہ اونٹنی کا وجدان کرلیا'' یعنی اسے پالیا، اور ''رأیتُ''، ''بصر'' یعنی آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں آتا ہے۔جیسے کہتے ہو: ''رأیت زیداً'' (میں نے زید کو دیکھا) یعنی اپنی آنکھ سے دیکھا۔

جب یہ افعال ان مذکورہ معانی میں مستعمل ہوں تو صرف ایک ہی مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان

افعال کے معانی صرف ایک مفعول کے تعلق کا تقاضہ کرتے ہیں، تو جس طرح ''عرفت زیداً'' (میں نے زید کو پہچانا) کہتے ہو، اسی طرح: ''علمت زیداً'' (میں نے زید کو جانا) بھی کہتے ہو۔

الاصول فی النحو، لأبی بکر محمد بن سہیل بن السراج النحوی البغدادی (م:۳۱۶ھ) ج:۱، ص:۹۲ کے حاشیہ میں ہے:

رأيت تكون من رؤية العين، وتكون من العلم كقوله عزوجل: أَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ. وقال الشاعر خداش بن زهير: رأيت الله أكبر كل شيء ☆ محافظة وأكثرهم جنوداً.

[''رأیتُ'' آنکھ سے دیکھنے اور علم کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: اے حبیب! کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ اس نے سائے کو کیسا دراز کیا؟ اور شاعر خداش بن زہیر نے کہا ہے: میں نے محافظت اور فوج کی کثرت کے اعتبار سے اللہ تعالی کو ہر شے سے بڑا یقین کیا۔]

الاصول فی النحو، لأبی بکر محمد بن سہیل بن السراج النحوی البغدادی

(م:۳۱٦ھ)، ج:ا،ص:۲۹٦ میں ہے:

ولو جعلت ''رأيت'' من رؤية العين كان بمنزلة ''ضربت''

[اگر ''رأیتُ'' سے مراد ''آنکھ سے دیکھنا'' ہوتو ''ضربتُ'' کی طرح متعدی بیک مفعول ہوگا۔]

شرح کتاب سیبویہ، لأبی سعید السیرافی الحسن بن عبد اللہ بن المرزبان (م:۳٦۸ھ)، ج:ا،ص:۲۸۲ میں ہے:

ومنه ''رأيت'' اذا أردت به رؤية العين، بمنزلة ''أبصرت'' يتعدي الى مفعول واحد، تقول: ''رأيت زيداً''، كما تقول: ''أبصرت زيداً''، واذا كانت الرؤيه للقلب تعدت الى مفعولين، كما ذكرنا.

[جب ''رأیتُ'' سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہوتو ''أبصرتُ'' کی طرح متعدی بیک مفعول ہوگا۔ جیسے ''أبصرتُ زیداً'' کہا جاتا ہے، اسی طرح ''رأیتُ زیداً'' کہا جائے گا۔ اور جب فعل قلب مراد ہوتو متعدی بدو مفعول ہوگا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔]

اسی طرح معتمد ترین عربی لغت ''لسان العرب'' میں ہے:

الـرؤية بـالـعيـن تتـعـدي الى مفعول واحد.
وبـمـعـنـى الـعلم تتعدي الى مفعولين، يقال:
رأى زيدا عالما.
[''رؤية'' کے معنی ''آنکھ سے دیکھنا'' ہوتو ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے، اور ''علم'' کے معنی میں ہوتو دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔جیسے'' رأی زیدا عالما'' (اس نے زید کو عالم جانا)۔]

مختار الصحاح میں بھی یہی ہے:

الـرؤية بـالـعيـن تتـعـدي الـى مفعول واحد.
وبمعنى العلم تتعدي الى مفعولين.
[''رؤية'' کے معنی ''آنکھ سے دیکھنا'' ہوتو ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے، اور ''علم'' یعنی اذعان ہوتو دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔]

بخاری شریف کے شارح امام بدرالدین عینی (م:) عمدۃ القاری، ج: ۸، ص: ۶۱/۶۲ میں لکھتے ہیں:

''رؤية'' بـضـم الـراء وسـكـون الـهـمزة وفتح اليـاء آخـر الـحـروف وضـم الـتـاء الـمثناة من فـوق، وهـو من: رأى العين، يقال: رأى، رأيا،

ورؤية، ورأءة مثل راعة فيتعدي الى مفعول واحد، واذا كان بمعنى العلم يتعدي الى مفعولين.

[لفظ ''رؤية''میں ''را'' مضموم، ''ہمزہ'' ساکن، آخری حرف ''ی'' مفتوح، اس کے بعد ''تا'' مضموم ہے۔ اس کے معنی ہیں ''آنکھ سے دیکھنا'' اسی لیے متعدی بیک مفعول ہے، اگر ''علم'' کے معنی میں ہوتا تو متعدی بدو مفعول ہوتا۔]

حدیث پاک: ''صوموا لرؤیته' وأفطروا لرؤیته'' [چاند کی رویت سے روزہ کا آغاز کرو اور رویت ہی پر اختتام!] میں ''رؤیة'' کا مفعول بہ تنہا ''ہ'' ضمیر ہے۔ اس لیے وہ، فعل قلب ''علم'' کے معنی میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالی اعلم



(۲)

اختلاف مطالع کے اعتبار کیے جانے کی بات سرسری نظر میں جتنی آسان و سہل معلوم ہوتی ہے، غائرنظر میں اتنی ہی دشوار، بلکہ متعذر ہے۔ نقض وابرام سے پاک اختلاف مطالع کی کوئی تحدید ہی نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ امام احمد رضا نے فتاوی رضویہ مترجم، ج: ۱۰ میں بیان فرمایا ہے۔ جو تفصیل کا طالب ہو، وہ وہاں مطالعہ کرے۔

رہی یہ بات کہ کتب ظاہر الروایہ اور متون میں اس کے غیر معتبر ہونے کا ذکر نہیں ہے! تو یہ قلت مطالعہ کی دلیل ہے۔

''فتح القدیر''، مکتبہ نوریہ پاکستان، ج: ۲، ص: ۲۴۳ میں امام ابن ہمام فرماتے ہیں: ۔

واذا ثبت في مصر لزم سائر الناس فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب في ظاهر المذهب.

[ایک شہر میں چاند کا ثبوت ہو جائے تو سارے انسانوں کے لیے اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جائے گا۔ تو ظاہر مذہب میں اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق کے لیے لازم ہوگا۔]

امام عبداللہ بن محمود موصلی کے متن ''المختار''، ج: ا ص: ۱۲۹ میں ہے:

فاذا ثبت في بلد لزم جميع الناس ولا اعتبار باختلاف المطالع.

[جب ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سارے لوگوں کے لیے اس کے مطابق عمل پیرا ہونا لازم ہوگا، اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔]

مجمع الانہر کے متن ''ملتقی الابحر''، ج:۱،ص:۳۵۲ میں ہے:

واذا ثبت في موضع لزم جميع الناس، وقيل يختلف باختلاف المطالع.

[جب ایک جگہ رویت ثابت ہو جائے تو تمام لوگوں کو اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جائے گا۔اور کہا گیا ہے کہ اختلاف مطالع سے حکم مختلف ہوگا۔]

اس کے تحت ''مجمع الانہر'' میں ہے:

يفهم من عبارة المصنف عدم الاعتبار مطلقاً وهو المذهب وظاهر الرواية وعليه الفتوى كما في أكثر المعتبرات.

[مصنف کی عبارت سے سمجھا جاتا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار مطلقاً نہیں ہوگا۔ یہی مذہب اور ظاہر الروایہ ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔جیسا کہ بیشتر معتبر کتابوں میں ہے۔]

امام نسفی کے مشہور متن ''کنز الدقائق'' میں ہے:

لا عبرة باختلاف المطالع.

[اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔]

اس کے تحت ''بحر الرائق''، ج:۲، ص:۴۷۱ میں ہے:

فاذا رآه أهل بلدة ولم يره أهل بلدة أخرى وجب عليهم أن يصوموا برؤية أولئک اذا ثبت عندهم بطريق موجب ويلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب. وقيل: يعتبر فلا يلزمهم برؤية غيرهم اذا اختلف المطلع ... والأول ظاهر الرواية وهو الأحوط كذا فى فتح القدير وظاهر المذهب وعليه الفتوى، كذا فى الخلاصة. أطلقه فشمل ما اذا كان بينهما تفاوت بحيث يختلف المطلع أو لا.

[جب ایک شہر والے چاند دیکھ لیں اور دوسرے شہر والے نہ دیکھ سکیں تو اِن پر اُس شہر کے دیکھنے والوں کی رویت سے روزہ رکھنا واجب ہوگا، جب کہ اِن حضرات کے نزدیک طریق موجب سے اُس شہر والوں کا دیکھنا ثابت ہو جائے۔ اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر بھی

اس کے مطابق عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا اختلاف مطلع ہو تو ایک شہر کی رویت سے دوسرے شہر میں روزہ رکھنا لازم نہیں ہوگا۔ پہلا قول ظاہر الروایہ ہے، اور احوط بھی جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ اور ظاہر المذہب بھی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ امام نسفی کی عبارت کا اطلاق اس صورت کو بھی شامل ہے جب دونوں شہروں کے درمیان اتنی مسافت ہو جس سے مطلع بدل جاتا ہے۔]

پھر ظاہر الروایہ اور متون میں غیر معتبر ہونے کا تذکرہ نہیں بھی ہوتا، صرف شروح اور فتاوی کی کتابوں میں ہی ہوتا، تو بھی اس کے غیر معتبر ہونے کا فتویٰ دیا جاسکتا تھا؛ کیوں کہ عدمِ ذکر، ذکرِ عدم نہیں ہوتا ہے۔

اللباب فی علوم الکتاب، ج: ۱۰، ص: ۲۰۲ میں ہے:

عدم الذكر لا يدل على العدم.

[کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔]

ورنہ غیر معتبر قرار دینے والے بھی تو کہیں گے کہ کتب ظاہر الروایہ اور متون میں اس کے معتبر ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

شروح کی تو وضع ہی متون کے مجملات و مبہمات کی تفصیل و توضیح اور ان

سے متفرع ہونے والے فروعات کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسئلہ اس لیے نا قابل قبول ہو کہ وہ ظاہر الروایہ اور متون میں نہیں ہے، تو کیا کوئی مذہب کے سارے سُنن زوائد، سُنن مؤکدہ، بلکہ واجبات، بلکہ فرائض، اسی طرح مکروہات تنزیہیہ، اساءات، تحریمات، اور مفسدات ونواقض کی نشاندہی ظاہر الروایہ اور متون میں کر سکتا ہے؟

اس طرح تو مذہب کا بیشتر حصہ ہی نا مقبول ٹھہر جائے گا! کتنی عمدہ بات فرمائی ہے امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے:

فصل: ومما يدلک على صحة ارتباط جميع أقوال علماء الشريعة بعين الشريعة كارتباط الظل بالشاخص ما يفصلونه من المجمل فى الشريعة فما فصل عالم ما أجمل فى كلام من قبله من الأدوار الا للنور المتصل به من الشارع صلى الله عليه و سلم فالمنة في ذلک حقيقة لرسول الله صلى الله عليه و سلم الذي هو صاحب الشرع؛ لأنه هو الذي أعطى العلماء تلک المادة التى فصلوا بها ما أجمل في كلامه ... تأمل يا أخي! لولا أن رسول الله صلى الله عليه و سلم فصل

بشريعته ما أجمل فی القرآن لبقی القرآن علی اجماله، كما ان أئمة المجتهدين لو لم يفصلوا ما أجمل فی السنة لبقيت السنة علی اجمالها، وهكذا الی عصرنا هذا. فلولا أن حقيقة الاجمال سارية فی العالم كله من العلماء ما شرحت الكتب ولا ترجمت من لسان الی لسان، ولا وضع العلماء علی الشروح حواشي كالشروح للشروح.

(میزان الشریعۃ الکبری ج:۱،ص:۴۱)

[علماے شریعت کے سارے اقوال، شریعت کے چشمے سے اسی طرح مرتبط ہوتے ہیں، جس طرح جسم سے سایہ مرتبط ہوتا ہے، جس کی صحت پر دال مجملات شرع کی وہ تفصیلات ہیں، جو علما نے کی ہیں۔ ہر عالم نے اپنے ماقبل کے مجملات کی تفصیل اسی نور سے کی ہے جو نور شارع علیہ السلام سے متصل ہے۔ تو اس معاملے میں حقیقتاً احسان صاحب شرع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے؛ کیوں کہ آپ نے ہی علماے کرام کو وہ مادہ عنایت فرمایا، جس کے ذریعہ انھوں نے آپ کے مجمل احادیث کی تفصیل کی۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد، ہر دور کا اپنے مابعد دور پر احسان رہا ہے ... غور کرو میرے بھائی! اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے ذریعہ قرآن کے مجملات کی تفصیل نہ کی ہوتی، تو قرآن اپنے اجمال پر ہی رہ جاتا۔ یوں ہی اگر ائمہ مجتہدین نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجملات کی تفصیل نہ کی ہوتی، تو سنت نبویہ اپنے اجمال پر ہی رہ جاتی۔ یوں ہی یہ سلسلہ ہمارے دور تک چلتا رہتا۔ پس اگر حقیقت اجمال دنیا بھر کے علما کے درمیان سرایت کی ہوئی نہ ہوتی تو نہ کتابوں کی شرح کی جاتی، نہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ ہوتا اور نہ ہی علماے کرام شروحات پر حواشی لکھتے، جیسا کہ شروحات کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔]

ہاں! جب کتبِ شروح وفتاوی کا کوئی مسئلہ عدول کے اسباب ستہ کے بغیر ہی متون وظاہر الروایہ کے برخلاف ہو، تو ترجیح اس کو ہوگی جو متون وظاہر الروایہ میں ہوگا۔ جس طرح قیاس اور خبر واحد جب حدیث مشہور ومتواتر اور قرآن کریم کے خلاف ہو تو ترجیح قرآن اور حدیث متواتر ومشہور کو ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ جو مسئلہ خبر واحد اور قیاس میں ہو، مگر قرآن اور حدیث متواتر ومشہور میں نہ ملے، وہ ناقابل قبول ہو جاتا ہو۔ واللہ تعالی اعلم



(۳)

روزہ وعید کا انحصار استفاضۂ خبر ہی پر نہیں ہے، ان کے لیے شریعت نے سات صورتیں رکھی ہیں، جن میں سے ایک استفاضۂ خبر بھی ہے۔ اس لیے اگر کہیں سے استفاضہ نہ ہو پائے تو پریشانی کیا ہے؟ ویسے جس وقت امریکہ میں چاند دکھائی دے گا، اس وقت انگلینڈ میں عشا کا وقت رہے گا۔ اب اگر انگلینڈ میں قابل قبول شرطوں کے ساتھ خبر مستفیض متحقق ہو جائے تو دوسرے دن یہاں روزہ یا عید ہوگی۔ بالکل اسی طرح جس طرح امریکہ سے ایسا شخص یا اشخاص لندن آکر گواہی دیں جن کی گواہی قابل قبول ہو، تو اس گواہی کی بنیاد پر روزہ وعید کا حکم ہوگا۔

رہا یہ کہ پھر ہندوستان میں دوسرے ملکوں کے استفاضۂ خبر پر روزہ وعید کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا ہے؟ تو اس کی وجہ یہ کہ یہاں شرعی استفاضہ کے تحقق کی شرطیں مفقود ہوتی ہیں، اس لیے اس پر عمل درآمد کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔ اگر شرطیں مفقود نہ ہوں تو یہاں بھی عمل درآمد کا حکم ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم



(۴)

توپوں کے فائر ندائے قاضی کے قائم مقام ہیں جو ان کی حدودِ ولایت ہی میں نافذ العمل ہوتی ہے، حدود ولایت سے باہر نہیں۔ اور فون کی خبریں، محض خبریں ہیں، ندائے قاضی کے قائم مقام نہیں۔

رہی توپوں کے فائر پر فون کے ذریعہ تین چار آدمی کی خبر کے قیاس کی بات! تو معاف کیجیے، شاید ان عالم صاحب نے قیاس کا صرف نام ہی سن رکھا ہے۔ بے چارے کو معلوم نہیں کہ قیاس شرعی، جس سے بعض احکام شرعیہ کا ظہور ہوتا ہے، کسے کہتے ہیں؟ اس کے شرائط و موانع کیا کیا ہیں؟ اور یہ کہ قیاس کا عظیم منصب کس کے لیے ہے، اور یہ کب کیا جا سکتا ہے؟

آپ ان عالم صاحب کو بتا دیجیے کہ حضرت! قیاس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) شرعی (۲) لغوی (۳) شبہی (۴) عقلی۔

قیاس شرعی: کسی شے کے ثابت شدہ حکم ہی کی علت دوسری شے میں پائی جانے کی وجہ سے اسی حکم کی طرح دوسری شے میں بھی حکم ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے چاندی کے چاندی سے تبادلے میں کمی بیشی ہونا حرام ہے، جس کی علت احناف کے نزدیک قدر اور جنس ہے۔ تو لوہے سے لوہے کے تبادلے میں بھی کمی بیشی ہونا حرام ہوگا؛ کیوں کہ لوہا بھی قدری و جنسی چیز ہے۔

قیاس لغوی: کسی شے کی وجہ تسمیہ کے دوسری شے میں پائے جانے کی بنا پر اسے بھی وہی نام دے کر اس کا حکم ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے انگوری شراب

کو عربی میں خمر کہتے ہیں، جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے پینے سے عقل پہ پردہ پڑ جاتا ہے، جس کی سزا شریعت نے بطور حد اسی کوڑے بتائی ہے۔ اور دوسرے نشہ آور مشروبات کے پینے سے بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے تو اسے بھی خمر کے نام سے موسوم کر کے اس کے پینے کی سزا بطور حد اسی کوڑے بتانا۔

قیاس شبہی: کسی چیز کی صورت سے دوسری چیز کی صورت ملنے کی بنا پر اُسی کا حکم اِس کے لیے بھی ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے تین اور چار رکعت والی نمازوں میں پہلا قعدہ فرض نہیں ہے، اور پہلے قعدے ہی کی طرح دوسر قعدہ بھی ہے تو اسے بھی فرض نہ ماننا۔

قیاس عقلی: دو قضیوں کو اس طرح مرکب کرنا کہ ان کو مان لینے سے تیسرے قضیہ کا ماننا لازم آجائے۔

نور الانوار کے حاشیہ میں ہے:

اعلم أن القياس على أربعة أنواع أحدها: القياس الشرعي ... والثاني: القياس اللغوي وهو تعدية الاسم من موضع الى موضع آخر، كتعدية اسم الخمر الى سائر الأشربة المحرمة، لعلة مخامرة العقل. والثالث: القياس الشبهي وهو تعدية الحكم من صورة الى صورة بعلة المشاكلة فى الصورة، كما

يقال في القعدة الأخيرة انها قعدة فلا يكون فرضاً كالقعدة الأولى. والرابع: القياس العقلي وهو قول مؤلف من القضايا بحيث متى سلمنا لزم منها قول آخر كما يقال: العالم متغير، وكل متغير حادث، فالعالم حادث.

انتهى ملخصاً بتغير بعض الألفاظ. (ص:٨)

[قیاس کی چار قسمیں ہیں: (۱) قیاس شرعی :...(۲) قیاس لغوی: یعنی اسم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تعدیہ کرنا۔ جیسے: مخامرۂ عقل کی علت کے سبب اسم ''خمر'' کا تعدیہ دوسرے حرام مشروبات کی جانب۔ (۳) قیاس شبہی: یعنی دو صورتوں میں یکسانیت کے باعث ایک صورت سے دوسری صورت کی جانب حکم کو متعدی کرنا۔ جیسے قعدہ اخیرہ کے بارے میں کہنا کہ یہ قعدہ ہے، تو جس طرح قعدہ اولی فرض نہیں ہے، یہ بھی فرض نہیں ہوگا۔ (۴) قیاس عقلی: یعنی قضایا سے مرکب ایسا قول جس کو مان لینے سے دوسرا قول لازم آجائے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے، تو عالم حادث ہوا۔]

قیاس لغوی اور شبہی کا اعتبار، نہ دینی معاملوں میں ہے نہ دنیاوی معاملوں میں۔

نور الانوار میں ہے:

فانهم يعطون اسم الخمر لكل مايخامر العقل وقد قال لهم واحد من الحنفية: لِمَ تسمى القارورة قارورة؟ فقالوا: لأنه يتقرر فيه الماء، فقال: ن بطنك أيضاً يتقرر فيه الماء، فينبغي أن يسمى قارورة. ثم قال لهم: لِمَ يسمى الجرجير جرجيراً؟ فقالوا: انه يتجرجر أي يتحرك على وجه الأرض! فقال: ان لحيتك أيضاً يتحرك، فينبغى أن تسمى جرجيراً، فتحير. (ص:٢٣٥)

[جن لوگوں نے ہر نشہ آور مشروب کو خمر کے نام سے موسوم کیا، اُن سے کسی حنفی صاحب نے پوچھا کہ قارورہ (شیشے کے برتن) کو قارورہ کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں کہ اس میں پانی ٹھہرا رہتا ہے! حنفی شخص نے کہا: تمہارے پیٹ میں بھی تو پانی ٹھہرا رہتا ہے، تو اسے بھی قارورہ کہیے۔ پھر پوچھا: جرجیر (ایک قسم کا ساگ جو

معمولی ہوا سے بھی ہلتا ہے۔) کو جر جیر کیوں کہتے ہیں؟
انھوں نے جواب دیا: کیوں کہ جر جیر زمین پر ہلتا رہتا ہے! اس پر حنفی صاحب نے کہا: پھر تو آپ لوگوں کی ڈاڑھیاں بھی جر جیر ہیں؛ کیوں کہ وہ بھی ہلتی رہتی ہیں۔
اس پر وہ لوگ کوئی جواب نہ دے سکے اور حیرت سے حنفی صاحب کا مُنھ تکتے رہ گئے۔]

قیاس عقلی: اپنی شرطوں کے ساتھ حجت ہے۔ جیسا کہ اس کی تعریف ہی سے ظاہر ہے۔

قیاس شرعی، قرآن وحدیث اور اجماع امت کے بعد حجت ہے، مگر اس کی حقیقت سے پوری واقفیت، پھر شرطوں کی رعایت اور موانع کے ارتفاع کا لحاظ بھی بہت ضروری ہے۔ ورنہ اس کا اعتبار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ علت منصوص نہ ہو تو مستنبط کرنا پڑتی ہے، اور یہ صرف مجتہد ہی کے بس کا ہے۔ ہاں! منصوص، یا مستنبط کردہ ہو تو فقہاے محققین بھی اس کا اجرا کر سکتے ہیں، جس کی تفصیل کتب اصول وفقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ورنہ حال یہ ہوگا کہ:

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ☆ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

واللہ تعالی اعلم

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

مصادر و مراجع

۱ قرآن کریم

۲ مسند امام اعظم

۳ بخاری شریف

۴ مسلم شریف

۵ ابوداؤد شریف

۶ نسائی شریف

۷ المستدرک للحاکم

۸ الخصائص الکبریٰ

۹ جامع صغیر

۱۰ احکام القرآن

۱۱ تفسیرات احمدیہ

۱۲ شرح بخاری لابن بطال

۱۳ عمدۃ القاری شرح بخاری

۱۴ فتح الباری شرح بخاری

۱۵ ارشاد الساری شرح بخاری

۱۶ شرح مسلم للنووی

۱۷ مرقاۃ المفاتیح

۱۸ حجۃ اللہ البالغۃ

۱۹ عمدۃ الرعایۃ

۲۰ مبسوط سرخسی

۲۱ ہدایہ

۲۲ فتاوی قاضی خان

۲۳ فتاوی سراجیہ

۲۴ فتاوی خلاصہ

۲۵ فتح القدیر

۲۶ ملتقی الابحر

۲۷ کنز الدقائق

۲۸ بحر الرائق

۲۹ تنویر الابصار

۳۰ درمختار

۳۱ شرح وقایہ

۳۲ ذخیرۃ العقبیٰ

۳۳ فتاوی عالم گیری

۳۴ غمز عیون البصائر

۳۵ طحطاوی علی المراقی

۳۶ ردالمحتار

۳۷ منحۃ الخالق

۳۸ تنبیہ الغافل والوسنان

۳۹ جدالممتار

۴۰ فتاوی رضویہ

۴۱ بہارشریعت

۴۲ بدایۃ المجتہد،

۴۳ الکافی فی فقہ اہل المدینہ

۴۴ مسلم الثبوت

۴۵ فواتح الرحموت

۴۶ حسامی

۴۷ نامی

۴۸ اصول الشاشی

۴۹ احسن الحواشی

۵۰ قمرالاقمار

۵۱ حاشیۂ نورالانوار

۵۲ اللباب فی علوم الکتاب

۵۳ الکناش فی فنی النحو والصرف

۴۵ الاصول فی النحو،لأبی بکرالبغدادی

۵۵ الاصول فی النحو،لأبی بکرالنحوی

۵۶ شرح کتاب سیبویہ،لأبی سعیدالسیرانی

۵۷ لسان العرب

۵۸ مختارالصحاح

۵۹ میزان الشریعۃ الکبری